امدادؒ کے فیضان کی تاثیر دیوبند
قاسمؒ کے ہے افکار کی تعبیر دیوبند

ماہنامہ

# افکارِ قاسمی

ذوالحجۃ ۱۴۳۳ھ، نومبر 2012

شائع کردہ

الغزالی فورم

http://www.algazali.org

# میگزین ٹیم



## مشاورتی کمیٹی



# فہرست مضامین

# درس قرآن

## سورہ شمس

وسیم پٹیل

سورہ شمس مکی اور قرآن کی ۹۱ سورہ ہے اندازِ تخاطب سادہ ہے، خطاب ساری انسانیت کیلئے ہے اس کا مضمون ہر مذہب، ذات پات، نسل رنگ، کے لوگ سمجھ سکتے ہیں۔

اس سورہ کا مرکزی موضوع انسان کی کامیابی اور ناکامی ہے کون کامیاب ہے اور کون ناکام؟

کامیابی کی شرائط ناکامی کے شرائط بیان کرتے ہوئے قرآن کس کو کامیاب کہتا ہے؟ اور کس کو ناکام؟

ہمارے نزدیک ناکامی وہ ہے جس نے صحیح وقت میں صحیح جگہ پر اپنا مال نہیں لگایا لیکن قرآن کے نزدیک ناکام وہ جس نے نفس کو گناہوں کے نیچے دبادیا اور پاکیزگی اختیار کی۔

اس سورہ میں اللہ تعالیٰ انسان کو سرکشی اور بغاوت کے انجام سے آگاہ کررہا ہے اور ایک تاریخی واقعہ ذکر فرمارہا ہے کہ ایک قوم تھی جس نے پیغمبر کی تعلیم کے خلاف کامیابی اور ناکامی کے شرط کو نظر انداز کیا اور بھیانک انجام دو چار ہوئی۔

اللہ نے اس کائنات میں ہر مخلوق کا ایک جوڑا بنایا، یہ جوڑے ایک دوسرے کی ضد ان میں تضاد ہے، عورت مرد، سورج چاند، دن رات، آسمان زمین اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے لئے ان کی ان کی حد مقرر فرمادی۔ سورج کی ایک حد ہے۔ چاند کی ایک حد ہے۔ رات کی ایک حد ہے اور جب تک یہ اپنے حد سے تجاوز نہیں کرتے تب تک یہ کائنات چل رہی ہے جب یہ اپنی حدیں پار کریں گی تو کائنات کا بچنا محال ہوجائیگا ساری کائنات کا نظام درہم برہم ہوجائیگا ہے۔

اللہ تعالیٰ اسی لئے انسانوں کو آسمان وزمین پر غور وفکر کرنے کی دعوت دیتا ہے ان فی خلق السموٰت والارض اس میں غور وفکر کرنے والوں کے لئے سبق ہے کہ انسان بھی اپنے حدود کی پاسداری کریں اور اپنے حدود کے اندر رہیں۔ جب انسان حدود کو پار کرتا ہے تو اس کا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے

اس سورہ میں اللہ اپنی مخلوق کی قسم کھا رہا ہے ان مخلوق کی قسم کھانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ہمیں کیسی اہم چیز کہ طرف متوجہ کرنا

چاہ رہا ہے ۔ایک سنگین بات کی طرف ۔اللہ ہمیں کہتا ہے کہ اب دھیان دو اور دوسرے سارے کام سے اپنی توجہ ہٹاؤ اللہ کے بندو اللہ والے بن جاؤ ،غور سے سنو! اب میں جو کہنے والا ہوں وہ تمہارے بارے میں ہے ۔تمہاری کامیابی کے بارے میں ۔تمہاری زندگی کے بارے میں ہے ۔اللہ تعالیٰ ہمیں بتا رہا ہے کہ سورج ،چاند اپنی مرضی سے نہیں بلکہ کچھ قانون ایک شریعت ایک ضابطہ کے تحت کام کر رہے ہیں ۔

لیکن انسان اس زندگی کو اس کائنات کو آسان کر کے اسکو ڈارون ازم جیسی من گھڑت نظریہ سے کائنات کو سمجھنے کوشش کر رہا ہے ۔انسان خود مختار ہے ۔اسے کوئی کنٹرول کرنے والا نہیں ہے ۔قرآن ایسے نظریہ سے ہمیں آگاہ کر رہا ہے کہ وقت رہتے سدھر جاؤ ۔ایک بار اللہ کی پکڑ میں آ گئے تو یہ نر یسے؟ تمہارے کچھ کام نہیں آئیں گے ۔

اللہ سورج اور چاند کی قسم رات اور دن کی قسم کھانے کا مطلب سورج اور چاند اپنے اپنے مدار میں گھوم رہے ہیں کہ وہ اپنے مدار سے ہٹ کر اپنے راستے سے کسی دوسرے کے مدات پر نکل جائے؟ بھلا سورج کی مجال کہ وہ اپنے مدار اور اپنے راستے سے ہٹ کر کسی دوسرے کے مدار میں نکل جائے ۔

سورہ یٓس (۳۶۔۴۰) میں اللہ فرماتا ہے لَا الشَّمسُ یَنبَغِی لَھَا اَن تُدرِکَ القَمَرَ وَلَا الَّیلُ سَابِقُ النَّھَارِ۔نہ سورج کے بس میں ہے کہ چاند کو جا کے پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے اور سب ایک دائرے میں حرکت کر رہے ہیں ،سورج کے لئے نیکی یہی ہے کہ وہ اپنے طے شدہ مدار میں گھومے اگر سورج نے یہ ڈیسائیڈ کیا کہ وہ اپنے مدار سے ہٹ کر چاند کے مدار میں چلا جائے تو پورے کائنات کا نظام بگڑ جائیگا اسی طرح دن و رات کے نکلنے کا ٹائم فکسڈ ہے دن کے بس میں یہ نہیں کہ وہ پانچ منٹ لیٹ آ جائے رات کے بس میں یہ نہیں کہ وہ پانچ منٹ پہلے آ جائے ۔جس طرح اگر سورج اپنے راستہ سے ہٹ کر اپنی مرضی کے راستہ پر چلے گا تو کائنات برباد ہو جائیگی اسی طرح اگر انسان اپنے محور سے ہٹ کر صحیح طریقہ ،صحیح راستہ سے ہٹ گیا تو اس کی زندگی اور اسکی سوسائٹی کی بربادی طے ہے اور یہ راستہ کیا ہے؟ فَاَلھَمَھَا فُجُورَھَا وَتَقوٰھَا (۸) قَد اَفلَحَ مَن زَکّٰھَا (۹) یہ راستہ نفس کی پاکی کا راستہ ہے ،یہ راستہ برائی و فجور سے بچ کر تقویٰ کے راستہ میں چلنے کا ہے ۔کیونکہ اللہ نے ہر انسان کے دل میں یہ الہام کر دیا ہے یہ چپ بٹھا دی ہے جو اسے بار بار صحیح راستہ کی طرف رہنمائی کرتی رہتی ہے ۔انسان کی زندگی میں بارہا ایسے مواقع آتے ہیں جب اسے اپنے نفس کا تزکیہ کرنا پڑتا ہے ہر دن زندگی انسان کے سامنے دو چوائز دیتی ہے (فجر کو اٹھوں یا تھوڑا اور سولوں اگر تھوڑی

دیر سولوں تو فرش فیل کروں گا اور سارا دن محنت کر سکوں گا یا پھر فجر پڑھ لوں اور اللہ کو خوش کروں ۔گھر لون لے کر ایک اچھا فلیٹ خریدوں یا اسی حال میں رہوں ۔ایسے چوائز آتے ہیں ) ایسی کشمکش جاری رہتی ہے فرمایا قَد اَفلَحَ مَن زَکّٰئهَا (۹) کامیاب ہوگیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا یہ لفظ افلح فلاح سے آیا ہے ۔حی علی الفلاح حی علی الفلاح روز مؤذن دن میں پانچ بار کہتا ہے کامیابی کی طرف آ ؤ یعنی نفس کا تزکیہ جس طرح سورج اپنا راستہ خود طئے نہیں کرتا اسے بتایا گیا ہے کہ یہ تیرے لئے صحیح راستہ ہے اور سورج کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ اسی راستہ پر بنا سوال کئے چلتا رہے اسی طرح انسان کو بھی اس کا صحیح راستہ بتایا گیا ہے ۔اگر اس راستہ پر چلو گے تو تمہاری بھلائی ہے، تمہاری کامیابی ہے (اس میں مکمل سکون ہے )

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر ایک نفس بنا دیا ہے اور اس نفس کے اندر اللہ نے اچھے اور برے کا فرق واضح کر دیا ہے کہ نیکی کا راستہ کون سا ہے اور بدی کا راستہ کون سا ہے اور اچھائی کا راستہ کون سا ہے اور برائی کا راستہ کون سا ہے۔

اگر کوئی انسان برائی دیکھتا ہے یا برائی اختیار کرتا ہے اس کا ضمیر کچوکے لگا تا ہے کہ یہ بری بات ہے اسی طرح ایک انسان اگر کوئی اچھا کام کرتا ہے تو اس کا دل اسے تسلی دیتا ہے کہ اس نے اچھا کام کیا یہ فرق کرنے کا شعور ہر ایک کے دل میں چاہے وہ عورت یا مرد، ہندو یا مسلمان، امریکن ہو یا جاپانی اللہ نے نفس کو بنا کر اس کا اسٹیرنگ انسان کے ہاتھ میں دیدیا ہے انسان چاہے تو اس نفس کو صحیح راستہ پر لے جائے یا غلط راستہ پر، انسان چاہے تو اس نفس کی آواز سنے یا اس نفس کی آواز کو دبا دے خدائے تعالیٰ نے اس دنیا میں اسے اختیار دیدیا ہے اسکے باوجود قرآن قدم قدم پر بھلے اور برے کی رہنمائی کرتا ہے ۔؟

سورہ ملک میں اللہ فرماتا ہے ۔وَلِلّذِینَ کَفرُوا برَبّهِم عَذَابُ جَهَنّمَ وَبِئسَ المَصِیرُ (۶) جب ان جھٹلانے والوں کو جہنم میں ڈالا جائیگا تو جہنم کا فرشتہ ان سے پوچھے گا کیا تمہارے پاس کوئی خبر دار کرنے والا نہیں آیا تھا وہ کہیں گے ہاں خبر دار کرنے ولا ہمارے پاس آیا تھا مگر ہم نے اسے جھٹلا دیا اور کہا اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا اور وہ کہیں گے کاش ہم سنتے یا سمجھتے تو آج اس بھڑکتی ہوئی آگ میں شامل نہیں ہوتے ۔اسی طرح وہ اپنے قصور کو خود مان لیں گے ۔

انسان کو خیر اور شر کے فرق کی صلاحیت دے کر اللہ نے اپنا خلیفہ بنا لیا اور وہ امانت سونپی جس کا تحمل نہ زمین کر سکی نہ آسمان، پہاڑ بھی لرزاں وترساں ہوگیا۔سورہ حشر میں اللہ فرماتے ہیں لَو اَنزَلنَا هٰذَا القُراٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لّرَاَیتَهٗ خَاشِعًا مّتَصَدّعًا مّن خَشیَةِ اللّٰهِ اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارا ہوتا تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے لرز جاتا کانپ جاتا اس کا مطلب یہ ہے کہ

قرآن جس ذمہ داری کی ڈیمانڈ کرتا ہے اس ذمہ داری کا علم پہاڑ کو معلوم ہوا تو پہاڑ اس ذمہ داری کو اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہوا لیکن انسان نے اس ذمہ داری کو قبول کیا آزادی کے ساتھ ذمہ داری آتی ہے اور ذمہ داری سے جزا اور سزا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو خیر و شر کو فرق کرنے کی صلاحیت دی ہے یہ ایک نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے کسی جانور کو نہیں دیا۔

جس طرح اللہ نے ہمیں آنکھ، کان اور کئی نعمتیں دی ہیں۔ صحیح اور غلط کا شعور بھی ایک نعمت ہے اور اس نعمت کا حساب ہمیں اللہ کو دینا ہے۔ جس طرح آنکھوں کا صحیح استعمال اس کا شکر ہے اور غلط استعمال اس نعمت کی ناشکری ہے اسی طرح نفس کی پاکیزگی نفس کی آواز سن کر صحیح راستہ پر جانا اس نعمت کا شکر ہے اور نفس کی آواز کو دبانا اس نعمت عظیم کی ناشکری ہے۔

افسوس! آج کل ہم اتنے مصروف ہیں، کہ ہمیں نفس کی آواز سننے کا موقع ملتا ہی نہیں۔ جبکہ اس نفس کی آواز کو سننے کے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک بہت اچھی دعا سکھلائی ہے۔ ربی اتنی نفسی تقوھا وز کھا۔ اے میرے رب میرے نفس کو اس کا تقویٰ عنایت فرما اس کا تزکیہ فرما انت خیر من زکھا تو ہی بہتر پاکیزگی عطا کرنے والا ہے انت ولیھا ومولٰھا تو ہی اس کا نگہبان اور مالک اور مولیٰ ہے۔

اس سورۃ کے آخر میں اللہ تعالیٰ ایک مثال اور ایک قصص الانبیاء سے ہمیں بات سمجھا رہا ہے۔ ایک بہت طاقت ور قوم ثمود گزری تھی یہ قوم بہت سرکش ہوگئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے یہاں ایک رسول بھیجا (صالح علیہ السلام) نے اس قوم کو اللہ کی طرف بلایا اور آخرت کا ڈر دلایا لیکن قوم ثمود نے صالح علیہ السلام کی بات کو نظر انداز کر یا اور ان کو جھٹلایا۔ ثمود نے ان کو پریشان کرنے کے لئے ان سے معجزہ طلب کیا۔ صالح علیہ السلام نے اللہ سے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ اس شرط کے ساتھ پہاڑ سے اونٹنی ظاہر فرمائی کہ تم اس اونٹنی کو تکلیف نہیں پہنچاؤ گے اس کے پینے کا ایک دن طئے ہوگا اس دن تم اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلاؤ گے۔ اس شرط میں قوم ثمود کی آزمائش تھی لیکن ثمود نے اس شرط کو نظر انداز کر دیا اور آزمائش میں ناکام ہو گئے انہوں نے اس اونٹنی کو تکلیف دی اس پانی پینے نہیں دیا اور آخیر میں اس کے لیڈر نے اونٹنی کو مار ڈالا اس کے بعد بھی صالح علیہ السلام نے ان سے کہا کہ ابھی بھی وقت ہے اللہ تعالیٰ ہمیں تین دن تک مہلت دیتا ہے تم چاہو تو اللہ سے معافی مانگ سکتے ہو۔

ثمود نے اس کو بھی نظر انداز کر دیا اس کو بھی ٹھکرا دیا تب اللہ کا عذاب آ گیا اور قوم ثمود ختم ہوگئی فَدَمدَمَ عَلَیھِم رَبُّھُم بِذَنبِھِم فَسَوّٰئھَا (۱۴) مکہ کے قریش، ثمود کے اس واقعہ سے واقف تھے اس سورہ کا نزول اس وقت ہوا جب قریش کے سردار رسول اللہ

ﷺ کو شہید کرنے کا پلان بنا رہے تھے ۔ اللہ تعالیٰ قریش کو وارننگ کر رہا ہے کہ تم لوگ تو ثمود کے حال سے واقف ہو انہوں نے بھی اپنے وقت کے رسول کی نافرمانی کی، تو اس کا انجام کیا ہوا۔ اس لئے سنبھل جاؤ ہم دیکھتے ہیں اللہ تعالیٰ قوموں کو انسانوں کو ڈھیل دیتا ہے، مہلت دیتا ہے مہلت اور ڈھیل اور وارننگ کے بعد بھی قوم نہیں سدھرتی تو اللہ کا عذاب ساری قوم پر آ جاتا ہے۔

اب یہ سوال اٹھا ہے کہ اگر قوم ثمود کے لیڈر نے اونٹنی کو مارا تو ساری قوم کو سزا کیوں ملی اس سے ہمیں قرآن کی فلاسفی معلوم ہوتی ہے جہاں تک حساب کتاب کا سوال ہے اللہ تعالیٰ قوموں کا حساب کتاب اسی دنیا میں کر دیتا ہے لیکن ۔۔۔۔؟ حساب و کتاب آخرت تک ٹال دیتا ہے ۔ آخرت کے حساب کتاب میں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزرَ اُخریٰ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ حیات دنیا میں اجتماعی ذمہ داری میں سب شریک ہیں انسان اکیلا نہیں ہے ۔ اگر کوئی کہے کہ بنگلور میں کچھ گندے کام ہو رہے ہیں لیکن میں اس میں شریک نہیں ہوں مجھے اس گندگی سے کچھ لینا دینا نہیں ہے میں تو ان سب چیزوں سے دور ہوں اور اللہ اللہ کرتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول نہیں ۔ جہاں تک دنیا کا سوال ہے ہم بھی اس قوم کے ایک حصہ ہیں اور جو کچھ ہو رہا ہے اس میں ہم بھی ذمہ دار ہیں تو اگر اللہ کی سزا کی فیصلہ پوری قوم پر آ گیا تو ہم بھی اس میں شامل ہو جائیں گے اور ہو بھی رہا ہے آج جس طرح کی پریشانی میں ہم گھرے ہوئے ہیں وہ اللہ کا عذاب نہیں ہے تو کیا ہے ۔ اللہ سے دعا کہ وہ ہمیں اسکے عذاب کے آنے سے پہلے سدھرنے کی توفیق دے اور وقت رہتے اپنے نفس کی پاکیزگی کرنے کی توفیق دے ۔

# درس حدیث

بنت حوا

الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفٰی

اما بعد:

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

عن عمر ابن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول انما الاعمال بالنیات وانما لامرء مانوی فمن کانت ھجرتہ الی اللّٰہ ورسولہ فھجرتہ الی اللّٰہ ورسولہ ومن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا اومرءۃ یتزوجھا فھجرتہ الی ماھاجرالیہ۔

(رواہ البخاری ومسلم)

## ترجمہ

حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ۔ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ" سب انسانی اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور آدمی کو اس کی نیت ہی کے مطابق پھل ملتا ہے ۔ سو جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ھجرت کی ( اور خدا اور رسول کی رضا جوئی و اطاعت کے سوا اس کی ھجرت کا اور کوئی باعث نہ تھا ) تو اس کی ھجرت در حقیقت اللہ اور رسول ہی کی طرف ہوئی ( اور بیشک وہ اللہ اور رسول کا سچا مہاجر ہے اور اس کو ھجرت الی اللہ والرسول کا مقرر اجر ملے گا ) اور جو کسی دنیاوی حرض کے لئے یا کسی عورت سے نکاح کی خاطر" مہاجر" بنا تو ( اس کی ھجرت اللہ اور رسول کے لئے نہ ہوگی 'بلکہ ) فی الواقع جس دوسری غرض اور نیت سے اس نے ھجرت کی ہے عنداللہ بس اسی کی طرف اس کی ھجرت مانی جائے گی

( بخاری ومسلم )

## تشریح

حدیث کا جو ترجمہ اوپر کیا گیا ہے وہ خود مطلب خیز ہے اور نفس مفہوم کے بیان کے لئے اس کے بعد کسی مزید تشریح کی حاجت نہیں لیکن اس کی خصوصی اہمیت کا تقاضا ہے کہ اس کے مطالب وفوائد پر کچھ اور بھی لکھا جائے۔

حدیث کا اصل منشاء امت پر اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ تمام اعمال کے صلاح وفساد اور مقبولیت ومردودیت کا مدار نیت پر ہے' یعنی عمل صالح وہی ہوگا اور اسی کی اللہ کے یہاں قدر وقیمت ہوگی جو صالحہ نیت سے کیا گیا ہو۔ اور جو: عمل صالحہ: کسی بری غرض اور فاسد نیت سے کیا گیا ہو وہ صالح اور مقبول نہ ہوگا۔ بلکہ نیت کے مطابق فاسد اور مردود ہوگا اگر چہ ظاہری نظر میں" صالح" ہی معلوم ہو۔۔۔ حاصل یہ کہ اللہ تعالی عمل کے ساتھ نیت کا اور ظاہر کے ساتھ باطن کا بھی دیکھنے والا ہے اس کے یہاں ہر عمل کی قدر وقیمت عمل کرنے والے کی نیت کے حساب سے لگائی جائے گی۔

## ایک غلط فہمی

کسی کو اس سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ جب دارومدار نیت ہی پر ہو تو اگر برے کام بھی کسی اچھی نیت سے کئے جائے تو وہ اعمال صالحہ ہوجائینگے اور ان پر بھی ثواب ملے گا مثلا، اگر کوئی شخص اس نیت سے چوری اور ڈاکہ زنی کرے کہ جو مال اس سے حاصل ہوگا اس سے وہ غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرے گا تو وہ بھی ثواب کا مستحق ہو سکے گا۔

اصل بات یہ ہے کہ جو کام فی نفسہ برے ہیں اور جن سے اللہ اور اس کے رسول نے منع فرمایا ہے ان میں حسن نیت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، وہ تو بہر حال قبیح اور مؤجب غضب الہی ہیں، بلکہ ان کے ساتھ اچھی نیت کرنا اور ان پر ثواب کی امید رکھنا شاید ان کی مزید قباحت کا اور سزا میں زیادتی کا باعث ہو، بلکہ حدیث کا منشا" اعمال صالحہ" کے متعلق یہ جتلانا ہے کہ وہ بھی اگر کسی بری نیت سے کئے جائیں گے تو پھر" اعمال صالحہ" نہیں رہیں گے بلکہ بری نیت کی وجہ سے ان کا انجام برا ہی ہوگا

# اداریہ

## نصرت الٰہی سے محرومی کے اسباب

الحمدلله وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفی!

”آج کل پوری دنیا میں مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہے اور یہ ظلم کرنے والے غیر مسلم ہیں تو مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کی مدد کیوں نہیں آتی؟“

بلاشبہ یہ سوال آج کل تقریباً ہر دین دار مسلمان کی زبان پر ہے اور اس کے دل و دماغ کو پریشان کئے ہوئے ہے اور اسے سمجھ نہیں آتا کہ اگر مسلمان حق پر ہیں اور یقیناً حق پر ہیں، تو ان کی مدد کیوں نہیں کی جاتی اور ان کے اعداء و مخالفین یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین، جو یقیناً باطل پر ہیں، کے خلاف اللہ تعالیٰ کا جوش انتقام حرکت میں کیوں نہیں آتا؟ اور ان کو تہس نہس کیوں نہیں کر دیا جاتا؟ یا کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کو مسلمانوں پر فوقیت و برتری کیونکر حاصل ہے؟ اور ان کو اس قدر ڈھیل کیوں دی جارہی ہے؟ اس کے برعکس مسلمانوں کو روز بروز ذلت و ادبار کا سامنا کیونکر ہے؟

سوال کے جواب کے سلسلہ میں چند باتیں عرض خدمت ہیں:

دراصل یہاں دو امور ہیں، ایک یہ کہ تمام مسلمان عموماً اللہ تعالیٰ کی مدد سے کیوں محروم ہیں؟ دوسرے یہ کہ خاص طور پر وہ نیک صالح مسلمان، جو واقعی اللہ تعالیٰ کے دین کے محافظ ہیں، ان پر مصائب و بلایا کے پہاڑ کیوں توڑے جارہے ہیں؟ ان کے حق میں اللہ کی مدد آنے میں تاخیر کیوں ہو رہی ہے؟ اور ان کے دشمنوں کو اس قدر ڈھیل کیوں دی جارہی ہے؟

اول: سب سے پہلے یہ کہ تمام مسلمان اللہ کی مدد سے کیوں محروم ہیں؟ اس سلسلہ میں عرض ہے:

۱:...... اس وقت مسلمان من حیث القوم مجموعی اعتبار سے تقریباً بدعملی کا شکار ہو چکے ہیں۔

۲:...... اس وقت مسلمانوں میں ذوقِ عبادت اور شوقِ شہادت کا فقدان ہے، بلکہ مسلمان بھی... الا ماشاء اللہ... کفار و مشرکین کی طرح موت سے ڈرنے لگے ہیں۔

۳:...... اس وقت تقریباً مسلمانوں کو دین، مذہب، ایمان، عقیدہ سے زیادہ اپنی، اپنی اولاد اور اپنے خاندان کی دنیاوی راحت و

آرام کی فکر ہے۔

۴:......آج کل مسلمان...الا ماشاءاللہ...موت، مابعد الموت، قبر، حشر، آخرت، جہنم اور جنت کی فکر و احساس سے بے نیاز ہو چکے ہیں اور انہوں نے کافر اقوام کی طرح اپنی کامیابی و ناکامی کا مدار دنیا اور دنیاوی اسباب و ذرائع کو بنالیا ہے، اس لئے تقریباً سب ہی اس کے حصول و تحصیل کے لئے دیوانہ وار دوڑ رہے ہیں۔

۵:......اس وقت...الا ماشاءاللہ...مسلمانوں کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد، بھروسہ اور توکل نہیں رہا، اس لئے وہ دنیا اور دنیاوی اسباب و وسائل کو سب کچھ باور کرنے لگے ہیں۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ: مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد کا وعدہ ضرور ہے لیکن ساتھ ہی اللہ کی مدد آنے کے لئے یہ شرط بھی ہے کہ:

"یاایھاالذین آمنوا ان تنصروا اللّٰہ ینصرکم ویثبت اقدامکم" (محمد:۷)

ترجمہ:..."اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کریں گے، اور تمہارے قدموں کو ثابت کریں گے۔"

لہٰذا جب سے مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد چھوڑ دی ہے، اللہ تعالیٰ نے بھی مسلمانوں سے اپنی رحمت و عنایت اور مدد کا ہاتھ اٹھالیا ہے، چنانچہ آج ہر طرف مسلمانوں پر کافر اس طرح ٹوٹ رہے ہیں جس طرح دسترخوان پر چنے ہوئے کھانے پر لوگ ٹوٹتے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

"عن ثوبان رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ: یوشک الامم ان تداعیٰ علیکم کماتداعیٰ الآکلة الیٰ قصعتھا، فقال قائل: ومن قلة نحن یومئذٍ؟ قال: بل انتم یومئذٍ کثیر! ولکنکم غثاء کغثاء السیل، ولینزعن اللّٰہ من صدور عدوکم المھابة منکم، ولیقذفن اللّٰہ فی قلوبکم الوھن! فقال قائل: یارسول اللّٰہ! وما الوھن؟ قال: حب الدنیا وکراھیة الموت!"

(ابوداؤد ص:۵۹)

ترجمہ:..."حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ وقت قریب آتا ہے، جب تمام کافر قومیں تمہارے مٹانے کے لئے... مل کر سازشیں کریں گی... اور ایک دوسرے کو اس طرح بلائیں گی جیسے دسترخوان

پر کھانا کھانے والے....لذیذ....کھانے کی طرف ایک دوسرے کو بلاتے ہیں، کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہماری قلت تعداد کی وجہ سے ہمارا یہ حال ہوگا؟ فرمایا: نہیں! بلکہ تم اس وقت تعداد میں بہت ہوگے، البتہ تم سیلاب کی جھاگ کی طرح ناکارہ ہوگے، یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہارا رعب اور دبدبہ نکال دیں گے، اور تمہارے دلوں میں بزدلی ڈال دیں گے، کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! بزدلی سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔"

بتلایا جائے جس معاشرہ کا یہ حال ہو، اور جن مسلمانوں کے اعمال و اخلاق کا یہ منظر نامہ ہو، وہاں اللہ کی مدد آئے گی یا اللہ کا عذاب؟

دوم: رہی یہ بات کہ کفار و مشرکین اور اغیار کے مظالم کا شکار صرف اور صرف دین دار مسلمان ہی کیوں ہیں؟

اگر بدکردار مسلمانوں اور اربابِ اقتدار نے اللہ کو ناراض کر رکھا ہے تو ان کی سزا ان نہتے معصوموں کو کیوں دی جاتی ہے؟ اور ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کی مدد کیوں نہیں آتی؟ چاہئے تو یہ تھا کہ جرم و سزا کے فلسفہ کے تحت سزا بھی ان ہی لوگوں کو دی جاتی، جنہوں نے اللہ کو ناراض کر رکھا ہے، مگر اس کے برعکس ہو یہ رہا ہے کہ نیک صالح مسلمان، اور دین و مذہب کے متوالے، کفار کے مظالم کی تلوار سے ذبح ہو رہے ہیں، ان کو بے نام کیا جا رہا ہے، ان کو گاجر مولی کی طرح کاٹا جا رہا ہے، ان کی جان و مال اور عزت و ناموس برباد کی جا رہی ہے، ان پر اللہ کی زمین تنگ کی جا رہی ہے، اپنے اور پرائے سب ہی ان کے دشمن اور ان کی جان کے پیاسے ہیں، کوئی بھی ان کے لئے کلمہ خیر کہنے کا روادار نہیں ہے، بلکہ ان پر ہر طرف سے آگ و آہن کی بارش اور بارود کی یلغار ہے، آخر ایسا کیوں ہے؟؟

اسی طرح ارشاد الٰہی: "الا ان نصر اللّٰہ قریب"...بے شک اللہ کی مدد قریب ہے...کا وعدہ کب پورا ہوگا؟

اس سلسلہ میں بھی چند معروضات پیش کرنا چاہوں گا:

۱:......دنیا با خدا مسلمانوں کے لئے قید خانہ اور کفار و مشرکین کے لئے جنت ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

"عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال، قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: "الدنیا سجن المؤمن و جنۃ الکافر" (ترمذی ص:۵۶ ج:۲)

ترجمہ:......"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے۔"

یعنی دنیا میں عموماً کافر کی نسبت، ایک مومن کو آفات و مصائب کا سامنا زیادہ کرنا پڑتا ہے، جس کا معنی یہ ہے کہ کافر کی دنیاوی

کروفر اور راحت و آرام اور مومن کی تکلیف و تعذیب کو دیکھ کر پریشان نہیں ہونا چاہئے، بلکہ مومن کی دنیا کی تکلیف و تعذیب اور مصائب و آلام کا، اس کی جنت کے ساتھ اور کافر کی ظاہری کروفر، خوش عیشی اور راحت و آرام کا اس کی جہنم کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو سمجھ آجائے گا کہ جس طرح کافر کی دنیاوی راحت و آسائش کی، اس کی جہنم کی سزا کے مقابلہ میں کچھ حیثیت نہیں، اسی طرح مسلمان کی دنیا کی عارضی تکالیف و مشکلات اس کی جنت اور آخرت کی راحت و آرام کے مقابلہ میں کچھ حیثیت نہیں رکھتیں۔

۲:...... دنیا دارالعمل اور آخرت دارالجزا ہے اور ظاہر ہے جو شخص عملی میدان میں جتنا محنت و مشقت اور جہد و مجاہدہ برداشت کرے گا، بعد میں اسی تناسب سے اسے راحت و آرام میسر آئے گا اور جو شخص میدانِ عمل میں جتنا کوتاہی کرے گا، بعد میں اسی تناسب سے اُسے ذلت و رسوائی اور فضیحت و شرمندگی کا سامنا کرنا ہوگا، ٹھیک اسی طرح مقربین بارگاہِ خداوندی کو بھی آخرت کی کھیتی یعنی دنیا میں جہد مسلسل اور محنت و مشقت کا سامنا ہے۔

# کتاب الایمان والعقائد

احمد عدیل غزالی

## "یا محمد" لکھنے اور کہنے کا شرعی حکم

سوال:۔(۴) یا محمد لکھنا اور کہنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟۔ بینوا توجروا

الجواب:۔ یا محمد لکھنا یا کہنا اگر ندا کے قصد سے یہ سمجھ کر ہو کہ حضور ﷺ براہ راست سنتے یا دیکھتے ہیں یہ عقیدہ شرک کا ہے کیونکہ اس میں حضور ﷺ کو حاضر و ناظر ماننا لازم آتا ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، اگر اس کے سوا کسی اور مقصد سے ہو جیسے شعراوغیرہ کے کلام میں ہوتا ہے تو جائز ہے، پھر بھی احتیاط اولیٰ ہے،(۲) فقط۔ واللہ أعلم بالصواب

کتبہ: محمد حمزہ گورکھپوری

الجواب صحیح: بندہ محمد حنیف غفرلہ

(۱) فإن العبد بحوله وقوّته ليس له قوة المغالبة مع الشيطان ومجادلته فيجب عليه أن يلتجئ إلى مولاه ويعتصم بالله من الشيطان الذى أوقعه فى هذا الخاطر الذي لاأقبح منه فيقول بلسانه أعوذ بالله من الشيطان الرجيم ويلوذ بجنانه إلى جنابه أن يدفع عنه شره وكيده فإنه مع اللطف الإلهى لاأضعف منه ولاأذل۔

(مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب في الوسوسة ۱۳۶/۱، أشرفية)

(۲) فی ہامش "فتاویٰ محمودیہ": اس قسم کے الفاظ واشعار میں شبۂ شرک ہوتا ہے، اور جس طرح شرک سے اجتناب لازم ہے، اسی طرح شبہاتِ شرک سے بھی اجتناب ضروری ہے، اور یہی تقویٰ کی اصل ہے، ورنہ ذرائع شرک مفضی إلی الشرک ہوتے ہیں۔

(كتاب الإيمان والعقائد، بالاستمداد بغير الله: ۳۶۷/۱، ڈابھیل)

عن عامر رضي الله عنه قال: سمعت النعمان بن بشير يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يقول: الحلال بين والحرام بين، وبينهما مشتبهات لا يعلمها كثير من الناس، فمن اتقى المشتبهات، استبرألدينه وعرضه، ومن وقع فى الشبهات كراع يرعى حول الحمى، يوشك أن يواقعه، ألا! وإن لكل ملك حمىً، ألا! وإن حمى الله في الأرض محارمه، "الحديث"

(الجامع الصحيح للبخاري، كتاب الإيمان، باب فضل من استبرألدينه: ۱۳/۱، قديمي)

قال الحافظ ابن حجر: "ونقل ابن المنير في مناقب شيخه القباري عنه أنه كان يقول: المكروه عقبة بين العبد والحرام، فمن استكثر من المكروه، تطرق إلى الحرام" (فتح الباري، كتاب الإيمان، باب فضل من استبرألدينه وعرضه: ۱۷۰/۱ قديمي)

# حضرت خضر کی نبوت وولایت اور موت وحیات کی تحقیق

**سوال:۔(۵) خضر علیہ السلام نبی ہیں یا ولی؟ حیات ہیں یا رحلت فرما گئے؟ اگر کوئی کہے کہ میری ملاقات ہوئی ہے تو اس کی بات مان لی جائے یا انکار کر دیا جائے؟۔** بینوا توجروا

**الجواب:-** في روح المعاني "فيه أقوال ثلثة،فالجمهور على أنه عليه السلام نبيٌ وليس برسول وقيل هو رسول وقيل وهو وليٌ وعليه القشيري وجماعة۔(۱)

اور معارف القرآن میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں: خلاصہ یہ ہے کہ جمہور امت کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام بھی ایک نبی اور پیغمبر ہیں۔

اور موت وحیات سے متعلق مفصل بحث کرتے ہوئے حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ تحریر فرماتے ہیں: ''ابوحیان نے تفسیر بحر محیط میں متعدد بزرگوں کے واقعات حضرت خضر سے ملاقات کے بھی نقل کئے ہیں مگر ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ "والجمهور على أنهٗ مات"(۲) جمہور علماء اس پر ہیں کہ خضرؑ کی وفات ہوگئی تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ تمام اشکالات کا حل اس میں ہے کہ جو مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکاشفہ سے بیان فرمایا وہ یہ ہے کہ ''میں نے خود حضرت خضرؑ سے عالم مکاشفہ میں دریافت کیا انھوں نے فرمایا کہ میں اور الیاس دونوں زندہ نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ قدرت بخشی ہے کہ ہم زندہ آدمیوں کی شکل میں متشکل ہو کر لوگوں کی امداد مختلف صورتوں میں کریں۔(۳) واللّٰہ سبحانهٗ أعلم۔

مذکورہ عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خضر علیہ السلام کی موت وحیات کا مسئلہ صرف ظنی ہے یقینی پہلو کوئی بھی نہیں، اس لیے اگر کوئی ملاقات کا دعویٰ کرے اور اس کے ماننے میں کوئی مفسدہ نہ ہو تو اس کی تکذیب کی کوئی وجہ نہیں۔(۴) واللّٰه أعلم بالصواب

کتبہ: محمد حمزہ گورکھپوری

الجواب صحیح: بندہ محمد حنیف غفرلہٗ

(۱) ”روح المعانی:۱۵/ ۳۲۰،دار إحیاء التراث العربی“

(۲)”تفسیر البحر المحیط:۶/ ۱۴۷،دار الفکر“

(۳)”معارف القرآن،سورۃ الکہف:۵/ ۶۲۵،بنگلہ اسلامک اکیڈمی“

وعن أنس رضی اللہ عنہ لما قبض النبي صلی اللہ علیہ وسلم وقعد أصحابه حزاناً يبكون حوله، فجاء رجل طويل، صبيح، فصيح، في إزار ورداء أشعر المنكبين والصدر، فتخطى الصحابة حتى أخذ بعضادتي الباب، فبكى ساعة، ثم قال: إن في الله عزاء من كل مصيبة، وخلفا من كل هالك، فإلى الله فأنيبوا وإليه فارغبوا، فإنما المصاب من لم يجبره الثواب، فقال القوم: تعرفون الرجل؟ فنظروا يميناً وشمالاً فلم يروا أحداً، فقال أبو بكر رضی اللہ عنہ: هذا الخضر أخ النبي صلی اللہ علیہ وسلم۔ ”للأوسط بضعف“ (مجمع الزوائد، كتاب لجنائز، التعزية وأحوال القبور وزيارتها، رقم الحديث ۱، ۳۶۳۸/ (۴) ”كذا في فتاوىٰ محمودية ، مايتعلق بالأنبياء وأتباعهم: ۱/ ۴۴۲، ادارہ صدیق، ڈابھیل، گجرات ۳۹۰)

## اللہ رب العزت کو ظالم کہنا

سوال:۔(۶) اللہ رب العزت کسی کے ساتھ ظلم نہیں کرتے یہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے، لیکن ایک دہریہ اس بات پر اعتراض کرتا ہے کہ تمام کافر کفر میں برابر ہیں اور آخرت میں فیصلہ کے بعد تمام کافروں کا ٹھکانہ جہنم ہے، لیکن عالم ِبرزخ میں اختلاف ہے، حدیث میں آیا ہے کہ قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڈھوں میں سے ایک گڈھا ہے، برے آدمی کو قیامت تک قبر میں عذاب ہوتا رہے گا اور نیک آدمی کے لیے قیامت تک جنت کی کھڑکی کھول دی جائے گی اور وہ آرام کرتا رہے گا؛ اب ایک آدمی حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں پیدا ہوا اور مرگیا اس کو بھی قیامت تک عذاب ہوتا رہے گا اور ایک آدمی اس زمانہ میں پیدا ہوا اور مرگیا اس کو بھی قیامت تک عذاب ہوگا اور ایک آدمی قیامت کے قریب پیدا ہوا اور مرگیا اس کو بھی قیامت تک عذاب ہوتا رہے گا، تو یہ کمی اور زیادتی عدل کے خلاف معلوم ہورہی ہے؛ لہٰذا اس کا ایسا جواب مرحمت فرمائیں کہ دہریہ کا منہ بند ہوجائے۔ بینوا توجروا

الجواب:۔ حامداو مصلیاو مسلما! سزا کا استحقاق ارتکاب ِجرم کے بعد ہوتا ہے جرم سے پہلے نہیں، لہٰذا جو شخص زماناً پہلے پیدا ہوا اور مستحق سزا ہوکر مرا تو اس کی جانب سے سبب عذاب یعنی جرم بھی تو پہلے پایا گیا، لہٰذا اس کو اپنی موت کے وقت سے معذب ہونا ہی چاہیے، اور جو شخص بعد میں پیدا ہوا اور جرائم کا مرتکب ہوا اس کی جانب سے سبب عذاب بھی بعد میں پایا گیا، لہٰذا اس پر اس کی موت کے بعد سے عذاب ہونا چاہیے، اگر دہری شخص یہ کہے کہ پہلے اور بعد میں پیدا کرنا اللہ تعالی کا فعل ہے، اس میں بندہ کا کیا دخل؟ تو ہم کہیں گے کہ عذاب کا سبب اللہ تعالی کا پیدا کرنا نہیں ہے، بلکہ اس کا جرم ہے جو اس کا فعل ہے، اللہ تعالی کا فعل نہیں، (۱) مثال

سے یوں سمجھئے کہ کسی حاکم کی حکومت میں یہ دستور العمل نافذ ہو کہ چور کو تاحیات جیل خانہ کی مشقت میں رہنا ہے اور ایک چور کی عمر چوری کے بعد سے ۵۰ رسال باقی ہے، دوسرے چور کی ایک سال، تو اس کو آپ بھی خلاف عِدل نہ کہیں گے، نیز کسی زمانہ میں اسباب خِیر کی کثرت اور دواعیٔ شر کی قلت کی وجہ سے مجرم طویل مدت تک عتاب کا مستحق ہو اور دوسرے زمانہ میں شر و رفتن کے غلبہ کی وجہ سے اسی جیسے جرم پر کم زمانہ تک عتاب کا مستحق ہو اس میں کیا اشکال ہے! نیز کسی زمانہ کے لوگوں کو صبر عن المعاصی کی قوت زیادہ دی گئی ہو، پھر بھی اجتناب نہ کیا، دوسروں کو اتنی قوت عطا نہیں ہوئی اور اجتناب نہ کیا، اب اگر اول قسم والوں کو زیادہ دن تک جرم کا مزہ چکھایا جائے تو یہ عین انصاف ہے، نیز اگر زمان مِتقدم کے مجرموں کے عذاب برزخ کا زمانہ طویل ہے، تو اگر بعد والے مجرموں کے عذاب کی کیفیت اشد ہو تو عدل ہو جائے گا یا نہیں؟ اور اصل بات یہ ہے کہ ہر شئ کا امکان اس کے محل میں ہوتا ہے غیر محل میں نہیں، مثلاً کھیتی کا سوال زمین میں ہوتا ہے پتھر پر نہیں، اسی طرح ظلم کے وجود کا امکان بھی اس کے محل ہی میں ہوسکتا ہے غیر محل میں نہیں، مثلاً زید کے باپ کو عمرو اور لڑکے کو بکر نے قتل کیا اور زید اپنے باپ کا تو عمرو سے قصاص لے اور اپنے بیٹے کے قصاص کو بکر سے معاف کر دے تو زید کے اس فعل کو کون ظلم کہے گا؟ اور ظلم نہ کہنے کی وجہ یہی ہے کہ اپنے حقوق و اختیار کی حدود میں رہتے ہوئے صاحب حِق کو ہر تصرف کا اختیار ہوتا ہے، مثلاً کچھ چنا آپ کے پاس ہے تو آپ کو اختیار ہوتا ہے کہ اس میں سے جتنے کی چاہیں روٹی بنائیں، جتنے کی چاہیں دال پکائیں، جتنے کا چاہیں حلوا بنائیں اور جتنا چاہیں فروخت کر دیں، جتنا چاہیں آج استعمال میں لائیں، جس قدر چاہیں سال بھر بعد استعمال کریں، حالانکہ چنا محض اللہ کی عطا سے آپ کو ملا ہے، تو بتائیے کہ جو ذات تمام اشیاء کی بالذات مختار کل ہو اس کو اپنی اشیاء میں ہر طرح تصرف کا اختیار کیوں نہ ہوگا! اصل یہی ہے کہ ان کی ادنیٰ سی نافرمانی ابدالآباد کے عتاب شِدید کا سبب ہے، اب جس مجرم کو جب تک چاہیں، جتنا چاہیں عذاب دیں، ان کو اختیار ہے، اپنی ملکیت میں تصرف سے ظلم کا سوال ہی نہیں اور جس کو چاہیں معاف کر دیں یہ ان کا کرم ہے (۲)

بھگا دیں قہر سے گر، وہ نہیں شکوہ ہمیں ان سے    بلا ویں مہر سے اپنی تو ان کی مہربانی ہے

تو اللہ تعالیٰ کی جانب کسی بھی حالت میں ظلم کی نسبت کرنے والے خود ظالم ہیں، کہ ان کی اشیاء کو غیر کی سمجھتے ہیں، ورنہ برزخ ہی کے متعلق یہ اعتراض کیوں ہوتا ہے؟ کہنا چاہیے کہ ایک کو کتا یا خنزیر دوسرے کو انسان بنانا بھی ظلم اور ترجیح بلا مرجح ہے، ایک کو زمین بنانا جسے سب لوگ روندتے ہیں، دوسروں کو روندنے والا بنانا بھی ظلم ہے (نعوذ باللہ)۔ واللہ أعلم بالصواب

کتبہٗ: عبداللہ غفرلہٗ ۱۳/۸/۱۴۰۷ھ
الجواب صحیح: بندہ محمد حنیف غفرلہٗ

(۱) (ولم يجبر أحدا من خلقه على الكفر ولا على الإيمان) يعني أن الله تعالیٰ لا يخلق الكفر ولا الإيمان في قلب العبد بطريق الجبر والإكراه، بل يخلقهما باختيار العبد ورضاه ومحبته، (شرح الفقه الأكبر للسمرقندي: ۱۲۸، الشؤون الدينية، قطر)

وللعباد أفعال اختيارية يثابون عليها إن كانت طاعة ويعاقبون عليها إن كانت معصية، وفي كلام المصنف إشارة إلى دليل الاختيار، وهو أنه لو كان العبد مجبوراً لم يستحق الثواب والعقاب۔

(النبراس، وللعباد أفعال اختيارية: ۱۷۷، إمدادية، ملتان، باكستان)

(۲) ثم ليت شعري ما معنیٰ وجوب الشيئ على الله تعالیٰ، إذ ليس معناه استحقاق تاركه الذم والعقاب وهو ظاهر؛ لأنه تعالیٰ منزه عن أن يذم أو يعاقب، أما العقاب؛ فلأنه غير متصور، وهذا باتفاق الطرفين، وأما الذم؛ فلأنه المالک، فله التصرف في ملكه كيف شاء، وهذا مبني على أن الحسن والقبح شرعيان لا عقليان، ويورد بأن السيد لا يملک قتل عبده؟ والجواب أن هذا القبح الشرعي، وأيضاً ليس مالكيته كمالكية الحق سبحانه۔

(النبراس، ما هو أصلح للعبد فليس بواجب على الله تعالیٰ: ۲۰۴، إمدادية، ملتان، باكستان)

# معیارِ محبت

محمد ذیشان نصر

الحمدللہ! ہم سب مسلمان ہیں اور یہ اللہ رب العزت کا ہم پر خاص فضل اور احسان ہے کہ اس نے ہمیں امت محمدیہ میں پیدا فرمایا۔امت مِحمدیہ وہ امت ہے جس میں شامل ہونے کی تمنا خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کی ہے۔مگر اللہ جل شانہ نے ہم پر اپنا خاص فضل کیا اور ہمیں بن کہے اس امت میں پیدا فرما دیا،اس پر ہم اللہ رب العزت کا جتنا بھی شکر ادا کرے وہ کم ہے۔اس امت کو وہ نبی ملے جن کے سر پر رب ذوالجلال نے ختم نبوت کا تاج سجایا۔جن کو رب نے امام الانبیاء بنایا۔جنہیں رب نے کبھی طٰہٰ کہہ کر پکارا تو کبھی یٰسین کہہ کر مخاطب کیا،کبھی یاایھا المزمل کہہ کر آپ کو عزت وتکریم دی تو کبھی یاایھا المدثر کہہ کر آپ کے حسن وجمال کا تذکرہ کیا۔ہاں ہاں۔۔وہ آپ ہی بابرکت ذات ہے جس پر ملائکہ تو ملائکہ خود رب کائنات بھی درود بھیجتا ہے۔چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

تو جس نبی کی مدحت اور رفعت خود رب ذوالجلال بیان فرمائے۔جس نبی سے محبت خود رب کائنات کرے،اس نبی کی محبت ہمارے دلوں میں بھی ہونی چاہیے۔تو محبت کیا ہے؟محبت کسے کہتے ہیں؟تو اس کا جواب خود رب کائنات نے اپنی لاریب کتاب میں کچھ اس طرح بیان فرمایا ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۔ فَاتَّبِعُوْنِيْ کہہ کر رب نے محبت کا مطلب اور محبت کی حقیقت بتلادی۔کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو اس کی اطاعت کرو۔اللہ بھی تم سے محبت کرے گا۔پس ثابت ہوا کہ محبت کا معیار اللہ کی اطاعت ہے۔تو اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ رب کی اطاعت کیسے کی جائے؟رب کی بندگی کیسے کی جائے؟تو رب نے مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ کہہ کر اس کا تسلی بخش جواب دے دیا کہ نبی کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو اللہ کی اطاعت کرو،اور اللہ کی اطاعت کیا ہے؟اللہ کے نبی سے محبت اللہ کی اطاعت ہے۔اور نبی کی محبت کیا ہے؟نبی کی اطاعت،نبی کی فرمانبرداری،نبی کی اتباع،نبی کی پیروی،نبی کی سنت اور نبی کے طریقوں پر چلنا،نبی سے محبت کی دلیل ہے۔

آج آپ کو نبی سے محبت کے دعوے دار تو کئی نظر آئیں گے مگر ان کے دل نبی کی حقیقی محبت سے خالی،ان کے اذہان

محبت کے مفہوم سے نا آشنا، کیونکہ وہ محبت کی حقیقت یعنی اطاعت سے بے بہرہ ہیں۔ نبی کی محبت صرف کھو کھلے دعووں کا نام نہیں کہ ہمیں نبی سے بہت محبت ہے، جی ہم سچے عاشق رسول ہیں، ہم سچے محب رسول ہیں۔ بلکہ سچا عاشق رسول وہ ہے، سچا محب نبی وہ ہے، جو اپنے ہر عمل میں نبی کی پیروی کرتا ہے۔ کیونکہ

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی　　　یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے ناری ہے

ہاں محب کا عمل، محب کی محبت کا پتہ دیتا ہے۔ محبت صرف خالی خولی دعووں کا نام نہیں۔ اسی لیے شاعر کہتا ہے۔

کیا یہی عشق ہے کیا یہی پیار ہے　　　شکل عاشق سے معشوق بیزار ہے

ہاں عاشق وہ ہے جو اپنا چہرہ بھی نبی جیسا بنائے، جو اپنا لباس بھی نبی جیسا بنائے، ہاں جس کا کھانا پینا نبی کی سنت کے مطابق ہو، جس کا اُٹھنا بیٹھنا نبی کی سنت کے مطابق ہو۔ جس کے معاملات نبی کی سنت کے مطابق ہوں، جس کی معاشرت نبی کی سنت کے مطابق ہو، جس کی سیاست نبی کی سنت کے مطابق ہو، جس کی قیادت نبی کی سنت کے مطابق ہو، جس کی سیادت نبی کی سنت کے مطابق ہو، وہ سچا عاشق ہے۔ جو اپنے ہر فعل میں نبی کی غلامی اور نبی کے طریقہ کو ترجیح دیتا ہے کیونکہ

محمد کی غلامی دین حق کی شرطِ اول ہے　　　اسی میں ہو اگر خامی تو ایماں نامکمل ہے

میرے عزیز دوستو، بزرگو، محبت کے دو جزو ہیں۔ نمبر ۱: اطاعت، نمبر ۲: قربانی۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے:

”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ میں اسے، اس کے مال و جان اور اہل وعیال میں سے سب سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔“

ہاں محبت قربانی بھی مانگتی ہے۔ بعض اوقات محبت میں مال کی قربانی دینی پڑتی ہے، بعض اوقات اپنے اہل وعیال کی قربانی دینی پڑتی ہے، اور بعض اوقات تو اپنی جان تک بھی نبی کی ناموس پر قربان کرنی پڑتی ہے۔ کیونکہ سچے عاشق کا تو یہی ایمان اور یہی ایقان ہے۔

نہ جب تک کٹ مروں خواجۂ بطحا کی حرمت پر　　　خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

خود رسول اللہ ﷺ نے بھی اللہ کی محبت میں بے شمار قربانیاں دی ہیں۔۔۔ آپ نے اللہ کی محبت میں طائف کے بازاروں

میں پتھر کھائے ہیں، آپ نے اللہ کی محبت میں احد کے میدان میں اپنے دندان مبارک شہید کروائے ہیں۔۔۔آپ نے اللہ کی محبت میں بیت اللہ چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کی ہے۔ یہ ہے نبی کا اسوۂ حسنہ۔اب اگر ہم اپنے حال پر نظر دوڑائیں ،اپنے طرزِ عمل کو دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہم تو نبی کی محبت سے تہی دامن ہیں، ہمارے قلوب واذہان نبی کی حقیقی محبت یعنی اطاعت سے خالی ہیں۔ہم خالی دعوے کرتے ہیں کہ ہمیں نبی سے محبت ہے، جبکہ ہمارا عمل اس کے بالکل برعکس ہے۔اب ہمیں اپنے گریبان میں جھانکنا ہے کہ ہم نے نبی کی محبت میں کیا کچھ قربان کیا۔

تو میرے دوستو اور عزیزو میری اس ساری گفتگو کا خلاصہ یہی ہے کہ نبی سے محبت اللہ سے محبت ہے،اور محبت کے دو پہلو، دو جزو ہیں، ایک اطاعت اور دوسرا قربانی۔ یہ دونوں جزو، یہ دونوں عمل جو شخص اپنا لے گا۔ وہ سچا عاشق رسول بن جائے گا۔ وہ سچا محب رسول بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں سچا عاشق رسول بنائے۔آمین۔

اگر چاہئے تم کو عقبیٰ کی عزت تو ہرگز محمدؐ کا دامن نہ چھوڑو

# پیامِ محبت

## اقتباسات از کلامِ مجذوب علیہ الرحمۃ

محمد ذیشان نصر

خیالات کے منتشر ہجوم کو صفحۂ قرطاس پر بکھیرنا کس قدر مشکل ہے اور کسی شخصیت کے علمی و ادبی کمالات کو احاطۂ تحریر میں لانا کس قدر دشوار ہے اس کی قلعی مجھ پر آج کھلی، سوچ رہا ہوں کہ کیا لکھوں؟ کہاں سے شروع کروں، الفاظ نوکِ قلم تک آنے سے پہلے ہی کھو جاتے ہیں، خیالات کا بحرِ بے کراں دیارِ دل سے کنارِ لب تک آنے سے پہلے ہی دم توڑ جاتا ہے، اور ایسا کیوں نہ ہو؟ کیونکہ ذکر ہی اس شخصیت کا ہے جو طریقت میں اپنے وقت کا بایزیدؒ ہے اور جو شاعری میں اپنے وقت کا رومیؒ ہے، جو زبان و بیان میں اپنا ثانی نہیں رکھتا، تو اپنے تخیل اور بلند نگاہی کے سبب سب سے ممتاز اور جدا ہے۔ جو صاحبِ حال بھی ہے، صاحبِ ذوق بھی ہے اور صاحبِ کمال بھی۔ جس کے ہر ہر لفظ سے معرفتِ الٰہیہ کی ایسی کرنیں پھوٹتی ہیں، جو طالبانِ قربِ الٰہیہ کے قلوب کو منور کرتی ہیں۔ جس کے ہر ہر شعر سے عشقِ الٰہی کی ایسی موجیں اٹھتی ہیں جو رہروانِ طریقت کے جذبوں اور ولولوں کو سیراب کرتی ہیں۔

ویسے تو خواجہ صاحبؒ ایک کثیر الجہت شخصیت تھے، اور ان کی شخصیت کے بے شمار پہلو ایسے ہیں جنہیں سپردِ قلم کیا جا سکتا ہے مگر یہاں پر میرا مطمعِ نظر صرف خواجہ صاحبؒ کی شاعری ہے۔ خواجہ صاحب خود بھی ایک اعلیٰ پائے کے شاعر تھے اور بڑے بڑے شعراء، سخن شناس اور اہلِ ذوق حضرات آپ کے حلقۂ محبین میں شامل تھے، جو بھی حضرت کا کلام ایک مرتبہ سن لیتا وہ بس حضرت کا دیوانہ ہو جاتا۔ خود خواجہ صاحبؒ کے شیخ حکیم الامت، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ بھی ان کے کلامِ عارفانہ سے بہت محظوظ ہوتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ:

”خواجہ صاحب کا کلام حال ہی حال ہے، قال کا نام نہیں کیونکہ قال میں یہ اثر ہونا ممکن نہیں ہے“

شاعری میں آپ کا اپنا ایک منفرد انداز ہے، اپنی ایک الگ طرز اور الگ شان ہے اور میں یہ بات کہنے میں حق بجانب ہوں کہ خواجہ صاحبؒ جیسا شاعر آج تک نہ پہلے کبھی دیکھا اور نہ بعد میں دیکھیں گے۔ خواجہ صاحب کا کلام ربطگی، نغمگی،، چاشنی، حسنِ بیان، عمدہ روانی اور تمام شاعرانہ اسلوب سے مزین ہے۔ اکثر جب آپ شعر کہنے بیٹھتے تو بس کہتے ہی چلے جاتے تھے، حتیٰ کہ آپ کی

اکثر غزلیں بھی تیس، تیس اور بعض اوقات پچاس اور اس سے بھی زائد اشعار پر مشتمل ہوتی تھیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے غیب سے مضامین کی آمد ہے اور حضرتؒ اسے بس سپر دِقلم کیے جا رہے ہیں اور پھر اکثر ایسا بھی ہوتا کہ ایک ہی زمین پرا کھٹے ہی چار، چار اور اس سے بھی زائد غزلیں کہہ جایا کرتے تھے۔

خواجہ صاحب کا کلامِ عشقِ الٰہی میں ڈوبا ہوا ہے، بہت دل پذیر اور بہت اثر انگیز ہے۔ خواجہ صاحبکو اپنے شیخ حضرت تھانویؒ کی طرف سے ''مجذوب'' کا تخلص عطا ہوا، اس سے پہلے آپ ''حسن'' تخلص فرمایا کرتے تھے۔ اور واقعی آپ اپنے شیخ کے عطا کردہ تخلص کے عین مطابق عشقِ الٰہیہ میں اس طرح غرق تھے کہ دیکھنے والا آپ کو حقیقی مجذوب ہی سمجھتا تھا۔ آپ کا ایک شعر ہے

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی　　　اب تو آجاا ب تو خلوت ہوگئی

یہ شعر حضرت تھانویؒ کو اس قدر پسند آیا کہ آپ نے فرمایا کہ اگر میرے پاس دس لاکھ روپے ہوں تو میں اس شعر کے ہدیہ کے طور پر آپ کو دے دوں، مزید وہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جب بھی مجھے یہ شعر یاد آتا ہے تو کم از کم میں اسے تین دفعہ ضرور دہراتا ہوں۔ اس شعر کو وہی سمجھ سکتا ہے جس نے اللہ کے محبت میں خود کو تج دیا ہو، جس نے اپنی ساری خواہشات اور تمناؤں کو عشقِ الٰہی میں قربان کر دیا ہو، ہاں صرف وہی اس شعر کے حقیقت سے شناسا ہو سکتا ہے ورنہ مجھ جیسا بے ذوق، کج فہم اور دنیا کی محبت میں غرق شخص اس شعر کی گہرائی تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟

ارادہ تھا کہ ''افکارِ قاسمی'' کیلئے حضرت مجذوب کے کلام سے کچھ اقتباسات ایک مستقل سلسلہ کے طور پر نقل کروں، سو اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لئے شروع میں یہ چند بے ربط سے جملے خواجہ صاحب کے مختصر سے تعارف اور ان کی شخصیت کو خراجِ تحسین پیش کرنے کیلئے رقم کیے ہیں۔ انشاءاللہ اب آپ ''افکارِ قاسمی'' کے ہر شمارہ میں حضرت خواجہ صاحب کے کلامِ معرفت سے اپنے قلوب کو منور کر سکیں گے۔ کیونکہ حضرت کا کلام پیام اور نصیحت سے لبریز ہے، اور خود خواجہ صاحبؒ کا اپنے کلام کے بارے میں شعر ہے

جو مجذوب کا ہے کلامِ محبت　　　وہ دنیا کو ہے اک پیامِ محبت

خود خواجہ صاحبؒ نے بھی اپنے کلام کا نام ''پیامِ محبت'' تجویز فرمایا تھا اس لئے میں بھی اسی عنوان سے آپ کا کلام ہدیۂ قارئین کروں گا۔

# نعت

حضرت مجذوب علیہ الرحمہ

ہو نعتِ بشر کیا کوئی شایانِ محمدؐ ہے جبکہ خدا خود ہی ثناء خوانِ محمدؐ
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ

ہے آیتِ حق نامِ خُدا شانِ محمدؐ تفسیر اسی کی ہے یہ قرآنِ محمدؐ
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ

تھمتے نہیں اشک ِ غم ہجرانِ محمدؐ رہتے ہیں سدا طالبِ دامانِ محمدؐ
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ

یارب رہوں دن رات غزل خوانِ محمدؐ ہو جائے حسنؔ بھی ترا حسّانِ محمدؐ
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ

رفعت ہو بیان کیا جسے کہتے بھی ہیں معراج پائیں ترے ایوان کی ہے اے شانِ محمدؐ
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ

کیابات ہے حضرت کی اطاعت کے شرف کی شاہانِ دو عالم ہیں غُلا مانِ محمدؐ
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ

انکارِ نبی لازم انکارِ اَحد ہے ایمانِ خُدا لازمِ ایمانِ محمدؐ
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ

سُن کہتی ہے کیا آیت قُلْ فاتبِعُونی محبوبِ خدا تابع فرمانِ محمدؐ
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ

ہر چند وہ مخلوق بھی ہیں اور بشر بھی خلقت سے نرالی ہے ہراک آنِ محمدؐ
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ
جنت میں پہنچ جاؤں میں یارب اسی صورت چھوٹے نہ کبھی ہاتھ سے دامانِ محمدؐ
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ
مجذوبؔ اُٹھے خواب زیارت سے الٰہی سودازدہ زُلفِ پریشانِ محمدؐ
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ



# غزل

حضرت مجذوب علیہ الرحمۃ

کسی سے سیکھ لے بُلبل سراپا داستاں رہنا ہے ننگ عشق حالِ دل کا محتاجِ بیاں رہنا
کوئی رہنے میں رہنا ہے یہ زیرِ آسماں رہنا بہ فکرِ دشمناں رہنا بہ یادِ دوستاں رہنا
کھٹکتا ہے یہ تنکوں کا گُلوں کے درمیاں رہنا بہت مشکل ہے اے بلبل چمن میں آشیاں رہنا
ہمیں دونوں برابر ہیں گلستاں ہو کہ صحرا ہو وہیں کے ہو گئے ہم ،ہوگیا اپنا جہاں رہنا
یہ کیا طرفہ ادا، طرفہ تماشا، طرفہ پردہ ہے مری آنکھوں میں پھرنا پھر بھی آنکھوں سے نہاں رہنا
خدایا رحم کر اے چارہ گر اُف کیسے گزرے گی پڑا ہم کو جو دُنیا میں نصیبِ دشمناں رہنا
خلاصہ ہم سے سن لے کوئی آدابِ محبت کا دُعائیں دل میں دینا، ظلم سہنا، بے زباں رہنا
بھلا یہ بھی کوئی انداز ہے اے بلبلِ نالاں گُلوں کے درمیاں رہ کر بھی مشغولِ فغاں رہنا
بھروسہ کچھ نہیں اس نفس امّارہ کا اَے زاہد فرشتہ بھی یہ ہو جائے تو اس سے بدگماں رہنا
نہ رہ ناشاد سالک مسلکِ مجذوبؔ پر آجا اگر ہر حال میں تُو چاہتا ہے شادماں رہنا

# غزل

حضرت مجذوب علیہ الرحمۃ

نگاہِ اقربا بدلی ، مزاجِ دوستاں بدلا
نظر اک اُن کی کیا بدلی کہ مجھ سے کُل جہاں بدلا

مرے دنیائے دوں کو تو نے اے پیرِ مغاں بدلا
قیاس اب ہو گیا عرفاں یقیں سے اب گماں بدلا

چمن کا رنگ گو تو نے سراسر اے خزاں بدلا
نہ ہم نے شاخِ گُل چھوڑی نہ ہم نے آشیاں بدلا

گمانوں میں سبھی کے فرق آیا جب حجاب اٹّھے
نہ لیکن یک سرِ مُو بھی یقینِ عاشقاں بدلا

سرِ بازارِ حُسن و عشق کی رسوائیاں توبہ
شعارِ مہوشاں بدلا مذاقِ عاشقاں بدلا

سُنے سوتے میں جس دم نالہ ہائے نیم شب میرے
تو چونک اُٹھے وہ یہ کہہ کر کہ کیا وقت اذاں بدلا

کبھی ہم کہہ سکے ہمدم نہ کھل کر حالِ دل اُن سے
کہ ہر لفظ اپنا سو بار آتے آتے تا زباں بدلا

خوشا یہ دن کہ میری زیست آخر مرگ سے بدلی
بالآخر خوابِ راحت سے مرا خوابِ گراں بدلا

طریقِ عشق میں گو کارواں پر کارواں بدلے
نہ ہم نے رہ گذر بدلی نہ میرِ کارواں بدلا

کروں کیا دل ہے باصد زہد و تقویٰ مائل رندی
جبلّت کیا بدل سکتی عمل کو اپنے ہاں بدلا

دکھائے سبز باغ اتنے تو صیادانِ پُرفن نے
کِسی قیمت نہ بُلبل نے چمن سے آشیاں بدلا

نہ رہ چھوڑی نہ ہم نے نقشِ پائے راہرواں چھوڑے
ہوا کے رُخ پہ رُخ تُو نے تو گردِ کارواں بدلا

نہ بہکا پھر بھی مجنوں گو یہ لیلیٰ نے کیا اکثر
کہ محمل اپنا بدلا، ناقہ بدلی ، سارباں بدلا

ارے توبہ کوئی حد ہے بھلا اِس بدگمانی کی
ذرا میں پاس جا بیٹھا کہ اس نے پاسباں بدلا

نظر میں اَب تو اے مجذوبؔ یہ اِک کھیل ہے دنیا
نظر کے سب تماشے تھے نظر بدلی جہاں بدلا

ہوئی اک بے خُودی تحیّر چھا گیا سب پر
جہاں مجذوب جا پہنچا فضا بدلی سماں بدلا

بہت گو عشق میں مجذوبؔ بدلا تم نے حال اپنا
مگر جیسا بدلنا چاہئے ویسا کہاں بدلا

# فتاوی ریاض العلوم

## زبان کی حفاظت

احمد قاسمی

محب الفقرا صوفی عبد الصمد صاحب دامت برکاتھم

خلیفہ ومجاز بیعت حضرت اقدس شاہ محمد اھل اللہ دامت برکاتھم



بسم اللہ الرحمن الرحیم

## زبان کی آفتوں کے بیان میں

ایمان اور کفر کا اظہار زبان کے ذریعے ہوتا ہے۔

حالانکہ یہ چھوٹا سا عضو ہے مگر اس کی اطاعت بھی سب اعضاء سے زیادہ ہے اور اس کے گناہ بھی بہت زیادہ ہیں۔ جو شخص زبان پر قابو نہیں رکھتا تو شیطان اس کی زبان سے بہت سے برے کلمات کہلواتا ہے اور انجام اس کا بہت برا ہوتا ہے۔

زبان کی شر سے وہی شخص محفوظ رہ سکتا ہے جو اسے شریعت کی لگام پہنائے اور سنت کی زنجیروں میں ڈال رکھے۔ صرف زبان کو اس وقت آزادی بخشے جب کہ دنیا یا دین کا کوئی بہت ضروری کام نکل پڑے۔ ہر اس بات سے رکے جس کا آغاز یا انتہا برائی ہو۔

انسان کے اعضاء میں سب سے زیادہ نافرمانیاں زبان ہی سے سرزد ہوتی ہیں۔

زبان شیطان کا سب سے زیادہ موثر ہتھیار ہے اس کے ذریعہ سے وہ اللہ کے بندوں کو شکست دیتا ہے۔ انہیں سے گمراہی میں ڈالتا ہے۔

زبان کا خطرہ بہت عظیم ہے اس سے بچنے کا واحد راستہ خاموشی ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف کا مفہوم ہے جو خاموش رہا اس نے نجات پائی اور فرمایا کہ خاموشی حکمت ہے مگر اس کے کرنے والے بہت کم ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن سفیان اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

عرض کیا کہ مجھے نصیحت اس طرح کر دیں کہ اس کے بعد مجھے اور کسی سے کوئی نصیحت حاصل کرنے کی ضرورت نہ رہے۔

حضرت سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اپنی زبان پر قابو رکھو، اور تیرا گھر تجھے کافی ہونا چاہئے (یعنی گھر سے باہر مت نکل) اور اپنی غلطی پر ندامت کے آنسو بہا۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھے اپنی دونوں کانوں کے درمیان کی چیز یعنی زبان اور دونوں ٹانگوں کے درمیان کی چیز یعنی شرمگاہ سے بچنے کی ضمانت دے میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے پیٹ، اور اپنی شرمگاہ، اور اپنی زبان کے شر سے محفوظ رہا وہ ہر طرح کے شر سے محفوظ رہا۔

حضرت سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ وہ کون سی چیز ہے جس کے باعث لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ فرمایا کہ اللہ کا خوف اور خوش خلقی۔ عرض کیا گیا کہ وہ چیزیں بتلا دیجئے کہ جس کی بنا پر لوگ دوزخ میں جائیں گے۔

فرمایا کہ دو چیزیں منہ اور شرمگاہ کے باعث۔ (ترمذی شریف) راوی حضرت ابو ہریرہ۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے افضل ترین اعمال کے بارے میں پوچھا تو حضرت سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک باہر نکالی اور اس پر انگلی رکھ کر اس امر کی طرف اشارہ فرمایا کہ خاموشی افضل ہے۔

ایک اور حدیث شریف میں منقول ہے کہ جسے سلامتی پسند ہو اسے خاموشی اختیار کر لی چاہئے۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب آدمی صبح کرتا ہے تو اس کے تمام اعضاء زبان سے کہتے ہیں کہ ہمارے سلسلے میں اللہ سے ڈرنا، اگر تو سیدھی رہی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے اور تو ٹیڑھی ہوئی تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔ (ترمذی)

حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی زبان ہاتھ سے باہر کھینچ رہے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا! اے خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ انہوں ن فرمایا کہ اس نے مجھے بہت تنگ کیا ہے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ انسان کی اکثر غلطیوں کی ذمہ دار زبان ہوتی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنی

زبان کو بولنے سے روکتا ہے۔اللہ تعالیٰ اس کے عیب کی پردہ پوشی فرماتے ہیں۔اور جو شخص اپنے غصے پر قابو رکھتا ہے اسے اللہ تعالیٰ اپنے عذاب سے محفوظ رکھتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا عذر پیش کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ اس کا عذر قبول فرما لیتے ہیں۔

حضرت سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایسی عبادت نہ بتادوں جو بہت سہل اور بدن کے لئے بہت آسان ہے (وہ عبادت ہے) خاموشی اور خوش خلقی۔

حضرت سیدنا حضور صلی اللہ نے ارشاد فرمایا کہ مومن کی زبان اس کے دل کے پیچھے ہوتی ہے، جب وہ بولنے کا ارادہ کرتا ہے تو پہلے اپنے دل سے سوچتا ہے پھر زبان سے بولتا ہے۔اور منافق کی زبان دل کے سامنے ہوتی ہے جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو زبان سے کہہ دیتا ہے دل میں نہیں سوچتا۔

حضرت سیدنا حضور صلی اللہ نے ارشاد فرمایا کہ جس کا کلام زیادہ ہوتا ہے اس کی لغزش زیادہ ہوتی ہیں۔جس کی لغزش زیادہ ہوتی ہیں اس کے گناہ زیادہ ہوتے ہیں اور جس کے گناہ زیادہ ہوتے ہیں وہ آگ کا زیادہ مستحق ہوتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی زبان کو بولنے سے روکنے کے لئے منہ میں کنکری ڈال لیا کرتے تھے۔

زیادہ بولنے میں بہت سے آفات ہیں مثلاً (۱) غلطی (۲) جھوٹ (۳) چغل خوری (۴) غیبت
(۵) نفاق (۷) فحش گوئی (۸) خودنمائی (۹) خودستائی (۱۰) خصومت
(۱۱) لغوگوئی (۱۲) تعریف (۱۳) بات کا بڑھانا یا گھٹانا (۱۴) ایذادہی اور (۱۵) پردہ دری۔

حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ

(۱) میں اور میری امت کے متقی تکلف سے دور ہیں۔

(۲) تم میں سے میرے نزدیک زیادہ برے اور نشست میں مجھ سے بعیدتر وہ لوگ ہیں جو بکواس کرنے والے، زیادہ بولنے والے اور کلام میں تصنع اختیار کرنے والے ہیں۔

(۳) میری امت میں بدترین لوگ وہ ہیں جو نازونعم میں پلے ہیں طرح طرح کے کھانے کھاتے ہیں طرح طرح کے لباس پہنتے ہیں اور کلام میں تصنع اختیار کرتے ہیں۔

(۴) خبردار! مبالغہ کرنے والے ہلاک ہوئے۔

اکثر مدعیان خطابت کی عادت یہ ہے کہ وہ کلام کو خوب بنا سنوار کر پیش کرتے ہیں ۔تمہیدات ،اور مقدمات گھڑتے ہیں اور تکلف اور تصنع مذموم ہے ۔

حضرت سیدنا حضور صلی اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگ کلام کو اپنی زبانوں سے اس طرح الٹ پلٹ کریں گے جس طرح گائے گھاس کو اپنی زبان سے الٹ پلٹ کرتی ہے ۔

حضرت سیدنا حضور صلی اللہ نے ارشاد فرمایا کہ فحش گوئی سے بچو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو فحش گوئی اور بے ہودگی پسند نہیں ۔

حضرت سیدنا حضور صلی اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ان کفار و مشرکین ،کو بھی گالی دینے سے منع فرمایا جو بدر کی جنگ میں مارے گئے تھے ۔اس موقع پر جو حدیث ارشاد فرمائی اس کے راوی حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہے ۔

کلام (بات ) کرنے کے اقسام ہیں ۔

(۱)ایک وہ جس میں صرف ضرر ہے ۔اس کلام سے بچنا ضروری ہے ۔

(۲) دوسرا وہ جس میں صرف نفع ہے ۔

(۳) تیسری وہ جس میں نفع بھی ہے اور نقصان بھی اس قسم سے بھی بچنا ضروری ہے ۔خاموشی میں فائدہ ہے ۔

ـ(۴) چوتھی وہ ہے جس میں نہ ضرر ہے نہ نفع ہے ۔اس سے بچنا ضروری ہے کیونکہ وقت ضائع کرنا ہے ۔

اب صرف دوسری قسم کلام جس میں صرف نفع ہو باقی رہ جاتا ہے ۔

بعض دفعہ کلام میں ایسے جملے آتے ہیں کہ کلام کرنے والے کو بھی احساس نہیں رہتا ،گویا کہ مفید کلام کرنے والا بھی گویا خطرات سے کھیلنے والا ہے ۔جو شخص زبان سے تعلق رکھنے والی آفتوں پر غور کرے گا اس حدیث پر اعتراف کرنے سے مجبور ہوگا ۔

جو شخص چپ رہا اس نے نجات پائی (حدیث )

حضرت سیدنا حضور صلی اللہ نے ارشاد فرمایا کہ مومن کی خاموشی ،فکر اس کی نظر عبرت اور اس کا کلام ذکر الٰہی ہوتا ہے ۔مفید بات بھی کہنے کے بجائے کوئی تلاوت ،یا ذکر الٰہی میں مشغول رہے تو اس شخص کے لئے بیحد فائدہ اور اجر عظیم کا باعث ہے بے فائدہ کلام سے گو گناہ نہ ہو مگر وقت تو ضائع ہو ہی رہا ہے جس کو بہتر طریقہ پر استعمال کر سکتا تھا ۔

حضرت سیدنا حضور صلی اللہ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کے اسلام کے اچھا ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ لا یعنی کام ترک

کردے حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ بلا ضرورت گفتگو کرنے والا محاسبہ سے نہیں بچے اور جس کے ذمہ حساب ہوتا ہے اسے سیدھے جنت میں جانے کی سعادت نصیب نہیں ہوتی ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ بے فائدہ کام مت کرو، اپنے دشمن سے دور رہو اور دوست سے بھی بچو، بجز اس دوست کے جو متقی ہو، گنہگار کی صحبت میں مت بیٹھو۔ تم بھی اس کے اثرات قبول کرلو گے ۔ اسے اپنے راز سے آگاہ مت کرو اپنے معاملات میں بھی ان لوگوں سے مشورہ لو جو اللہ سے ڈرتے ہوں ۔

بے فائدہ کلام کے متعلق ارشاد ہے کہ اگر تم نے کسی سے پوچھا کہ کیا تم روزے سے ہو اگر وہ اثبات میں جواب دے تو کہا جائے گا کہ اس کو اپنے جواب سے عبادت کا اظہار کیا ہے. بہت ممکن ہے کہ وہ اس اظہار سے ریا کا شکار ہو جائے ۔ اگر ریا کا شکار نہ ہو تب بھی اس کی خفیہ عبادت کھلی عبادت میں بدل گئی ہے

جب کہ چھپ کر عبادت کرنا افضل ہے اگر اس نے نفی میں جواب دیا تو یہ جھوٹ ہوگا جواب نہ دیا خاموش رہا تو اس سے سوال کرنے والے کی تحقیر لازم آئے گی اور اسے تکلیف ہوگی اور اگر کوئی حیلہ ایسا کیا کہ جواب دینا نہ پڑے تو خواہ مخواہ کی ذہنی الجھن ہوگی اس طرح ایک غیر ضروری سوال سے ان چار آفات میں سے ایک آفت ضرور لازم آئے گی اس طرح گناہوں کا حال بھی نہیں پوچھنا چاہئے نہ ہی کوئی ایسی پوشیدہ بات پوچھنا چاہئے جس کے بتانے میں شرم آتی ہو اسی طرح کسی انجانے مسافر سے یہ نہ پوچھنا چاہئے کہ وہ کہاں سے آیا بعض اوقات اپنے شہر کا نام بتلانا کسی مصلحت کے منافی ہوتا ہے ۔ سچ کہتا ہے تو مصلحت فوت ہوتی ہے ۔ ورنہ جھوٹ بولنا پڑے گا جس کے ہم ذمہ دار ہوتے ہیں ۔ اس طرح کسی عالم سے ایسا مسئلہ دریافت کرنا بھی فضول ہے جس کی تم کو ضرورت نہ ہو۔

# جماعت اہل حدیث سے خطاب

ابن محمد جی قریشی
اسلام پورہ جبر۔تحصیل گوجر خان

## حضرت مولانا پروفیسر سید ابو بکر غزنوی ؒ

سابق وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بھاولپور

## عرض مدعا

غالباً2003 میں ملتان کی بات ہوگئی، کہ دورانِ ملازمت قرآن پاک کو حفظ کرنے کا ایک ولولہ سا پیدا ہوا۔رب کریم نے خصوصی فضل فرمایا،گو کہ بعض دشواریوں کی بناء پر حفظ تو مکمل نہ کرسکا، مگر قرآن سے جو قلبی تعلق پیدا ہوا، اسنے زندگی میں انقلاب برپا کردیا۔صحبتِ صالحین سے من کی دنیا کو ذکراللہ سے آباد کرنے کا جو موقع میسر آیا، تو پتہ چلا کہ لذتِ آشائی کسے کہتے ہیں۔

دو عالم سے کرتی بیگانہ دل کو عجب چیز ہے لذت آشائی

حفظ کی کلاس کے دوران ہماری درسگاہ والی مسجد میں ایک کمرہ جو خادمِ مسجد کے زیرِ استعمال تھا، وہاں کافی کوڑکباڑ تھا ، دوران صفائی راقم الحروف کو ایک کتابچہ ملا جس کے باہر جلی حروف میں لکھا تھا

"جماعت اہل حدیث سے خطاب پروفیسر مولانا ابوبکر غزنوی ؒ سابق وائس پرنسپل اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور"

مطالعہ کی عادت بچپن سے ہی تھی، اس وقت کی کفیت مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں نے یہ خطاب پڑھا تو میرے دل نے کہا کہ یہ خطاب کسی صاحب حال صوفی کا ہی ہوسکتا ہے۔مگر جب میں دوسری طرف جماعت اہلحدیث سے خطاب کا عنوان دیکھتا تو سوچتا کیا اہل حدیث حضرات میں بھی ایسے گہر نایاب موجود ہیں!

خیر وقت گزرتا گیا ہمارا علمی سفر بھی بچپن سے لڑکپن میں داخل ہوگیا۔تاریخ اور تصوف سے لگاؤ کی وجہ سے علماء اہلحدیث میں خاندان غزنوی سے کچھ غائبانہ قلبی عقیدت و ارادت بڑھ گئی بس اسی عقیدت کا یہ ابھار ہی سمجھئے کہ آپ ؒ کا یہ خطاب الیکٹرونک کتابچے کی شکل میں استفادہ عام کیلئے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔آپ ؒ کا یہ خطاب بظاہر تو صرف جماعت اہلحدیث کانفرنس سے

تھا،مگر آپ کے ان نصائح و پند کا تعلق ہمارے معاشرے کے ہر فرد اور جماعت سے ہے،اور خصوصی طور پر جماعت اہل حدیث کیلئے تو مینارہ نور ہے۔توحید و معرفت، آداب توحید، فضائل درود شریف، فضائل ذکر و تصوف اور عقیدت صوفیاء عظام جیسے موضوع پر مشتمل نہایت ہی پرتاثیر واعظ ہے۔

ابن محمد جی قریشی

اسلام پورہ جبر۔تحصیل گوجر خان



# جماعت اہل حدیث سے خطاب

سید ابو بکر غزنوی رحمہ اللہ

بزرگانِ کرام، برادرانِ عزیز، عزیزانِ گرامی قدر!

پھر وضعِ احتیاط سے رکنے لگا ہے دم　　برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کیے ہوئے

آپ سے ملاقات کیے ہوئے اور آپ سے بات کیے ہوئے ایک مدت ہوگئی۔

جسے آپ گنتے تھے آشنا، جسے آپ کہتے تھے باوفا

میں وہی ہوں مؤمن مبتلا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

حضرات! جب میں یہ خیال کرتا ہوں کہ یہ وہ جماعت ہے، جس کی سرزمین گو آج بنجر ہو چکی ہے، مگر یہ وہی سرزمین ہے، جس سے کبھی مولانا حافظ محمد لکھوی رحمہ اللہ، مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ، مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ، حضرت عبداللہ غزنوی رحمہ اللہ اور حضرت الامام مولانا عبدالجبار غزنوی رحمہ اللہ ایسے لعل اور یاقوت وگوہر پیدا ہوئے تو یہ سوچ کر کہ شاید اس راکھ میں کوئی چنگاری باقی ہو، یہ شعر پڑھتا ہوا تمہاری طرف کشاں کشاں چلا آتا ہوں:

اَرىٰ تَحْتَ الرَّمَادِ وَمِيْضَ جَمْرٍ

وَيُوْشِكُ أَنْ يَّكُوْنَ لَهَا ضِرَامُ

"خاکستر کے نیچے کچھ چنگاریاں دیکھ رہا ہوں، شاید ان سے شعلے بھڑک اٹھیں۔"

اور جب یہ آگ جلتی تھی، تو اسے تاپنے کے لیے حرارتِ ایمانی حاصل کرنے کے لیے لوگ پورب اور پچھم سے آتے تھے۔ جب آپ لوگوں کی اڑنگا بٹنی، دھینگا مشتی اور سر پھٹول دیکھتا ہوں تو جی جلتا ہے۔ ہر طرف خاک اڑائی جارہی ہے۔ اتنی خاک کہ سب کے سروں پر خاک پڑی ہوئی ہے۔ سب کے چہرے خاک سے یوں لتھڑے ہوئے ہیں کہ میرے لیے شکلیں پہچاننی بھی مشکل ہوگئی ہیں۔ جب یہ صورت حال دیکھتا ہوں تو آپ لوگوں سے بھاگ جاتا ہوں اور سالہا سال آپ سے روپوش رہتا ہوں اور یہ شعر ان دنوں پڑھا کرتا ہوں:

وَنَارٌ لَوْ نَفَخْتَ بِهَا أَضَاءَتْ

وَلٰكِنْ أَنْتَ تَنْفَخُ فِي الرِّمَادِ

یہ راکھ جس میں تم پھونکیں مار رہے ہو، اگر اس میں کوئی چنگاری ہوتی تو وہ یقیناً بھڑک اٹھتی، مگر تم راکھ میں پھونکیں مار رہے ہو، راکھ میں پھونکیں مارنے سے اس کے سوا کیا حاصل ہوگا کہ تمہارے سر پر بھی راکھ پڑے گی۔

دوستو! میں تو دہقان ہو۔ میرا کام دلوں کی زمین میں ہل چلانا ہے۔ تم نے کہا کہ تم ہماری زمین پہ ہل چلانے کے قابل نہیں ہو۔ میں تو خاندانی اور موروثی طور پر دہقان تھا۔ مجھے تو ہل چلانا ہی تھا۔ مجھے تو آبیاری کرنی ہی تھی۔ یہ بات میری گھٹی میں تھی۔ میرے خمیر میں بندھی ہوئی تھی۔ میں نے اور زمینیں ڈھونڈیں۔ دلوں اور روحوں کی زمینیں اور ان زمینوں پہ ہل چلاتا ہوں۔ دوستو! میں تو للاری ہوں، میرا کام دلوں کو خدا کے رنگ میں رنگ دینا ہے:

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ عَابِدونَ (البقرۃ:۱۳۸)

"خدا کا رنگ اور اس سے بہتر کس کا رنگ ہوسکتا ہے؟ اور ہم تو بس اس کی غلامی کرتے ہیں۔"

تم نے کہا کہ تمہیں رنگنا نہیں آتا۔ میں نے ملک میں ہانک لگائی کہ کوئی ہے جو دلوں کو رنگوانا چاہے؟ دیکھو! میرے دروازے پر گاہکوں کی بھیڑ لگی ہے۔

دوستو! میں تو دھوبی ہوں۔ میرا کام دلوں کی میل کچیل کو چھانٹ دینا ہے۔ دوستو! میں تو سقہ ہوں۔ میرا کام روح کی پیاس بجھانا ہے۔ تم نے کہا کہ تمہیں دھونا نہیں آتا۔ میں نے ملک میں ہانک لگائی کہ کوئی ہے جو دل کی سیاہی کو دھلوانا چاہے؟ تم نے کہا

کہ ہم تیرے مشکیزے سے پانی نہیں پیتے۔ میں نے ملک میں ہانک لگائی کہ کوئی ہے جو دل کی پیاس بجھانا چاہے؟ دیوبندی آئے، بریلوی آئے، مولوی آئے، بابو آئے، انجینئر آئے، ایڈووکیٹ آئے، پروفیسر آئے، سب نے کہا کہ ہم تیرے مشکیزے سے پانی پیتے ہیں اور اس سارے دھندے سے خدا شاہد ہے، مقصود فقط یہ ہے کہ اپنے نفس کا تزکیہ کرسکوں، اپنے دل کا میل کچیل چھانٹ سکوں۔

دوستو! وعظ کیا ہے؟ روحانی اور اخلاقی بیماریوں کی تشخیص کرنا اور دوا دینا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوا تلخ ہوتی ہے اور بیمار ناک بھوں چڑھاتا ہے۔ لیکن مشفق طبیب کو چاہیے کہ دوا حلق میں انڈیل دے۔ مریض کو جب شفا ہو جاتی ہے تو دعا دیتا ہے۔

دوستو! اگر مریض کو زکام ہو اور طبیب اسے معدے کی دوا دے، تو اس کی نااہلی میں شک وشبہ کی کیا گنجائش باقی رہتی ہے؟ اپنی اور سامعین کی جو بیماریاں ہوں، انہیں ڈھونڈنا اور ان کی دوا دینا، یہ وعظ ہے، یہ طبِ روحانی ہے۔ میں چند باتیں عرض کروں گا جو میرے لیے مفید ہوں، جو آپ کے لیے مفید ہوں۔ وہ واعظ دنیا دار ہے، جس کا منتہائے نظر فقط یہ ہو کہ دھواں دھار تقریر کی جائے، جذبات کو بھڑکا دیا جائے، نہ اپنے اپ کو فائدہ، نہ دوسروں کو فائدہ۔ آج کل تو سر دُھننا، وجد میں آنا، نعرے لگانا، ہاؤ ہو کرنا، وعظ کے لوازمات بن کر رہ گئے ہیں۔ میری نظر میں وعظ تو یہ ہے کہ بیماریوں کو چُن چُن کر بیان کیا جائے اور ان کا علاج کیا جائے۔

## توحید کے تقاضے:

پہلی بات میں یہ کہتا ہوں اور میرا اولین مخاطب خود میرا نفس ہے کہ یہ سمجھنا خود فریبی میں مبتلا ہونا ہے کہ صرف قبروں کی پُوجا نہ کرکے آدمی نے توحید کے سب تقاضے پورے کر دیئے:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللّهِ أَندَاداً (البقرة: ۱۶۵)

"اور لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو خدا سے ہٹ کر اوروں کو اس کا ہم پلّہ بنا لیتے ہیں"

آپ غور کیجئے کہ قرآن نے جہاں بھی توحید بیان کی "مِن دُونِ اللّٰہ" کے الفاظ استعمال کیے:

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ (الأعراف: ۱۹۴)

"خدا کے علاوہ جن کو تم پکارتے ہو، وہ بھی تمہارے طرح خدا کے بندے ہیں۔"

یہاں بھی لفظ "مِن دُونِ اللّٰہ" کہا

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ [النحل: 20]

"اور جو لوگ خدا کے سوا اوروں کو پکارتے ہیں، وہ خود کسی چیز کے خالق نہیں، بلکہ انہیں پیدا کیا گیا ہے۔"

"مِن دُونِ الله" کے لفظ اتنے جامع ہیں کہ ان میں تمام غیر اللہ شامل ہیں۔ ان میں زندہ بھی شامل ہیں اور مردہ بھی شامل ہیں۔ تم میں سے بعض نے مردوں سے مرادیں مانگیں اور تم میں سے بعض نے زندوں سے مرادیں مانگیں۔ افسوس! تم نے مل کر غیر اللہ سے مرادیں مانگیں۔ قرآن اٹھا کر دیکھیے، قرآن کے تیس پاروں میں سب سے زیادہ زندہ فرعونوں کی نفی پر زور دیا گیا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام سے کہا گیا کہ یہ نمرود جو الہ بن بیٹھا ہے، اس کی نفی کرو۔ یہ قبر کی نفی نہیں ہو رہی تھی، بلکہ زندہ جابر حکمران کی نفی کا حکم دیا جا رہا تھا۔

حکیم الامت علامہ اقبال، خدا ان کی قبر کو نور سے بھر دے، انہوں نے دو مصرعوں میں اس مطلب کو بیان کیا۔

اے کہ اندر حجرہ ہا سازی سخن
نعرۂ لا پیشِ نمرودے بزن

اے حجروں کے اندر بیٹھ کر باتیں بنانے والو! کسی نمرود کے سامنے جا کر لاَ کا نعرہ لگاؤ۔

قبر تو مٹی کا ڈھیر ہے، اس کی نفی میں کون سی دقت پیش آ رہی ہے؟ جس کسی نے قبر پر چادر نہ چڑھائی اور چراغ نہ جلایا، وہ اِتراتا پھرتا ہے کہ توحید کے سب تقاضے اس نے پورے کر دیے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توحید کی ارتقائی منزلوں سے گزارا گیا، تو ان سے بھی یہی کہا گیا کہ:

اذْهَبْ إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى (طه: 24)

"جاؤ، جا کر فرعون کی نفی کرو اور اس کے رُو برو جا کر اس کی نفی کرو، وہ سرکش ہو گیا ہے۔"

اور حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھو کہ عزیز مصر کی نفی کر رہے ہیں۔ زندہ خداؤں کی نفی کرنا بڑی کٹھن منزل ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی توحید یہی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توحید یہی تھی۔ ائمہ رحمۃ اللہ علیہم کی توحید یہی تھی۔ وہ تمام ضمیر فروش علماء جو دنیادار، جاہ طلب، سرمایہ داروں کی زکاتیں کھا کر سال بھر ان کی کاسہ لیسی اور حاشیہ برداری کرتے ہیں اور اس کے باوجود اپنے آپ کو توحید کے بلند ترین مقام پر فائز سمجھتے ہیں اور پوری ملت اسلامیہ کو حقیر اور ان کی توحید کا حال یہ ہے کہ حقیر ترین دنیوی اغراض

کے لیے دنیادار سرمایہ داروں کے گھروں کے طواف کرتے ہیں اور ان کی صبحیں اور شامیں ان کی چاپلوسی میں بسر ہوتی ہیں۔کیا ''مِن دُونِ اللّٰہِ'' میں صرف حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت اجمیری رحمۃ اللہ علیہ ہی شامل ہیں؟ کیا فاسق و فاجر حکام اور دنیادار سرمایہ دار ''مِن دُونِ اللّٰہِ'' میں شامل نہیں ہیں؟ یہ کیا منطق ہوئی؟ توحید کا یہ تصور ان لوگوں نے اپنے جی سے گھڑلیا ہے۔ کتاب اللہ اور حدیث رسول کی توحید تو بڑی انقلاب آفریں ہے۔وہ تو ساری دنیا کے بادشاہوں کے نام انقلابی خطوط لکھنے والی توحید ہے: ''أَسْلِمْ تَسْلَمْ''

اسلام لاؤ تو محفوظ رہ سکو گے۔

اس توحید کے نتائج کا ظہور تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلان میں ہوا تھا:

إِذَا هَلَكَ قَيْصَرُ فَلاَ قَيْصَرَ بَعْدَهُ، وَإِذَا هَلَكَ كِسْرَى فَلاَ كِسْرَى بَعْدَهُ [صحيح بخارى، كتاب الأيمان والنذور، باب كيف كانت يمين النبى ﷺ، ح: ٦٦٢٩]

فرمایا کہ مری آمد کا بدیہی نتیجہ قیصر و کسریٰ کی ہلاکت ہے اور یہ انقلاب جو میں برپا کر رہا ہوں، اس کا بدیہی نتیجہ قیصریت اور شہنشاہیت کی تباہی ہے۔

دوستو! وقت کے فرعونوں کی بھی نفی کرو، دنیاداروں اور سرمایہ داروں کی بھی نفی کرو۔

'لا تسئل الناس شيئا' غیر اللہ سے کچھ نہ مانگو، مردوں سے مانگو، نہ زندوں سے کچھ مانگو۔عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ 'فتوح الغیب' میں توحید بیان فرماتے ہیں:

مادمتَ قائماً مع الخلق، راضياً لعطاياهم، متردداً إلى أبوابهم، أنت مشرك بالله خلقهٔ۔

''جب تک تو مخلوق کے سہارے لیتا ہے، زندوں کے سہارے لیتا ہے اور مردوں کے سہارے لیتا ہے، جب تک ان کی جیب پر تمہاری نظر ہے، جب تک ان کی بخشش اور نَوال کی آس لگائے بیٹھا ہے، جب تک ان کے دروازوں پر تو دھکے کھا رہا ہے، تو خدا کے ساتھ ان کو شریک ٹھہرا رہا ہے۔''

محمد علی جوہر رحمہ اللہ توحید بیان فرماتے ہیں:

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

اور سلطان باہو رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

چو تیغ لِاَ بدست آری بیا تنہا چہ غم داری
مُجو از غیرِ حق یاری کہ لا فتّاح اِلا ہُو

جب لا کی تلوار تیرے ہاتھ میں ہے، تو حق کے سوا کسی کا سہارا نہ لو کہ اس کے سوا کوئی مشکل کشا نہیں۔
اور شیخ شیراز رحمہ اللہ سے توحید سنیے:

موحّد کہ در پائے ریزی زرش
و گر تیغ ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نہ باشد زکس
ہمیں است بُنیا د توحید و بس

''موحد وہ ہے جس کے قدموں میں تم سونے کے انبار لگا دو مگر اس کی رال نہ ٹپکے۔ جس کے سر پر آرا لٹکا دو لیکن خدا کے سوا کسی کا خوف اس کے دل میں نہ ہو۔ یہی توحید کی بنیاد ہے۔''

## توحید اور ادب یکجا کرو:

دوسری بات یہ عرض کرتا ہوں کہ موحد ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی بے مہار ہو جائے، رسیاں تڑوا بیٹھے، بے ادب اور گستاخ ہو جائے، اہل اللہ کی شان میں گستاخیاں کرے، محسنوں کا گریبان پھاڑے اور سمجھے کہ میں توحید کے تقاضے پورے کر رہا ہوں۔

دوستو! میرا کام مرض کی تشخیص اور اس کا علاج ہے، گو مریض چیخے، چلّائے، ناک بھوں چڑھائے۔ مشفق ڈاکٹر وہ ہے جو حلق میں دوا انڈیل دے، آج تم کسمساؤ گے، مضطرب ہو ہو کے زانو بدلو گے، مگر کچھ عرصے کے بعد تم مجھے دعا دو گے اور کہو گے کہ بات ٹھیک کہہ گیا تھا۔ جب مریض شفایاب ہو جاتا ہے تو کڑوی دوا کھلانے والے کو بھی دعا دیتا ہے۔

دوستو! کچھ حدیثیں ایک مسجد میں بیان ہوتی ہیں، کچھ دوسری مسجد میں بیان ہوتی ہیں اور کچھ ایسی ہیں جو کہیں بیان نہیں ہوتیں، اس لیے کہ ان کا بیان کرنا فرقہ وارانہ مصلحت کے منافی سمجھتے ہیں۔ دوستو! احادیث میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ:

إذا كلم أطرق جلساؤوا كأنما على رؤوسهم الطير

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرماتے تو آپ کے پاس بیٹھنے والے گردنوں کو جھکا لیتے تھے اور حرکت نہ کرتے تھے۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ یعنی حرکات فِاضلہ نہ کرتے تھے، فالتو حرکت سے بھی اجتناب کرتے، فالتو حرکت کو بھی خلاف اِدب جانتے تھے۔

دوستو! یہ بھی صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ عروہ بن مسعود صلح حدیبیہ کے موقع پر جب حضور اِقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو ساتھیوں سے کہا: عجب منظر ہے ہے وہاں:

إنه لا يتوضأ إلا ابتدروا وضوء

وہ جب وضو کرتے ہیں تو ان کے وضو کا پانی زمین پر نہیں گرتا ہے، لوگ تبرکاً اور تیمناً اسے جسم پر مَلتے ہیں۔

ولا يبصق بصاقاً إلا تلقوه بأكفهم

اور ان کا لعاب دہن بھی گرتا ہے تو صحابہ کے ہاتھوں پر گرتا ہے۔

ولا تسقط منه شعرة إلا ابتدروها

ان کا کوئی بال بھی گرتا ہے تو صحابہ رضی اللہ عنہم اس پر لپکتے ہیں۔ (بخاری: 2731)

قرآن مجید پڑھ کر دیکھیں کہ وہ شخصیتیں جو خدا کی ربوبیت کی مظہر ہیں اور انسان کی تربیت کرتی ہیں، ان کا ادب ملحوظ رکھنے کی کس شدت سے تلقین کی گئی ہے۔

آپ دیکھیں کہ والدین جسمانی تربیت کرتے ہیں، ان کے متعلق فرمایا:

فَلاَ تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلاَ تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلاً كَرِيماً [الإسراء: 23]

دیکھو انہیں کبھی بھی اُفّ نہ کہو کہ ہے تم پر۔ یہ میری ربوبیت کے مظہر ہیں، ان کے ذریعے سے میں تمہاری تربیت کر رہا ہوں، ان کو کبھی نہ جھڑکنا، ان سے جب بھی بات کرو تو بات کو جانچ لیا کرو۔

روحانی تربیت حضورﷺ کی ذات گرامی سے ذریعے کی گئی۔ان کے بارے میں حکم ہوا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ [الحجرات: 2]

"اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو پیغمبرﷺ کی آواز سے اونچامت ہونے دو اور ان کے ساتھ یوں بے تکلفی سے بلند آواز سے بات مت کیا کرو جیسا کہ تم آپس میں کرلیا کرتے ہو، ورنہ میں تمہارا پُورا اعمال نامہ غارت کردوں گا یعنی میں تمہاری عبادتوں اور ریاضتوں کو لے کے کیا کروں، اگر میرے حبیبﷺ سے بات کرنے کا تمہیں سلیقہ نہیں۔"

دوستو!

## ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے حالات "ارواح ثلاثہ" میں دیکھ رہا تھا۔وہ اپنے شیخ سید احمد شہید رحمہ اللہ کی معیت میں حج کرنے کے بعد جب واپس آئے تو لکھنؤ میں اطلاع ملی کہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ انتقال فرما گئے ہیں۔شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ سید احمد رحمہ اللہ کے شیخ تھے۔سید احمد شہید رحمہ اللہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے عاشق تھے۔یہ خبر سن کر سید احمد شہید رحمہ اللہ سخت بے قرار ہوئے اور شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ سے کہا: فوراً دہلی جاؤ اور معلوم کرکے آؤ کہ کیا سچ مچ میرے شیخ رحمہ اللہ دنیا سے رخصت ہوگئے ہیں اور شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کو اپنا ذاتی گھوڑا دیا۔حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تمام راستہ گھوڑے کی باگیں تھامے ہوئے پیدل چلتے رہے، لیکن گھوڑے کی اس زین پر بیٹھنے کی ہمت نہ ہوئی جس پر ان کے شیخ رحمہ اللہ بیٹھتے تھے۔آپ نے دیکھا کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کس قدر با ادب آدمی تھے کہ اس زین پر بیٹھنا بھی سوئے ادب سمجھا، جس پر ان کے شیخ رحمہ اللہ بیٹھتے تھے۔

"ارواح ثلاثہ" ہی میں لکھا ہے کہ سید احمد شہید رحمہ اللہ کی موجودگی میں شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ تقریر نہ کرتے تھے، خاموش بیٹھے رہتے کہ میرے شیخ رحمہ اللہ بیٹھے ہیں، ان کی موجودگی میں کیا کہوں؟ بعض لوگوں نے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی کتاب "تقویۃ الایمان" ہی پڑھی ہے، کبھی صراط مستقیم بھی دیکھو، کبھی عبقات بھی پڑھو، وہ تو بہت لطیف آدمی تھے، وہ تجلیات سے آگاہ، وہ انوار سے آگاہ، وہ سلوک کے مقامات سے آگاہ، اللہ کی محبت اور معرفت کے تمام رموز سے واقف، ان کی شخصیت میں توحید و ادب یکجا ہوگئے تھے۔ توحید و ادب کا یکجا ہونا تکمیل کی علامت ہے۔حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے مکتوبات دیکھ رہا تھا، خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ کے

صاحبزادوں کو خط لکھتے ہیں:

"ایں فقیر از سرتاپا غرق احسان ہائے والد شما است"

"یہ فقیر سر سے پاؤں تک آپ کے والد کے احسانات میں ڈوبا ہوا ہے۔"

ایک خط میں خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ کے صاحبزادوں کو لکھتے ہیں:

"اگر مدت العمر سرخود را پائمال اقدام خدمہ عتبہ علیہ شما کردہ باشم ہیچ نہ کردہ باشم۔"

فرماتے ہیں: "آپ کے مجھ پر اتنے احسانات ہیں کہ اگر آپ کے آستانے کے خادموں کی عمر بھر خدمت کرتا رہوں تو پھر بھی آپ کا حق ادا تو نہ ہو سکے گا۔"

دوستو! بھاگ تو ایسے لوگوں کو ہی لگتے ہیں، اور جو اپنے محسنوں کے قاتل ہوں، جو اپنے محسنوں کو ذبح کریں، وہ سرسبز کیوں کر ہو سکتے ہیں؟ یہودی بھی یہی کیا کرتے تھے جو لوگ ان کے محسن تھے، ان کے مربی تھے، جنھوں نے زندگیاں ان کی تربیت کے لیے وقف کر رکھی تھیں، ان ہی کو اپنا دشمن جانتے تھے، ان کے گریبان پھاڑتے تھے اور ان ہی کے قتل کے درپے تھے:

وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ [البقرة: 61]

"ناحق پیغمبروں کو قتل کیا کرتے تھے۔"

اس جرم کی پاداش میں ان پر خدا کی لعنتیں برسیں اور وہ مغضوب ہوئے۔

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآؤُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ [البقرة: 61]

دوستو! یہ فقرہ غور سے سنیں، موحد ہوتے ہوئے مؤدب ہونا اور مؤدب ہوتے ہوئے موحد ہونا بہت بڑی سعادت ہے۔ کچھ لوگوں کو توحید کی شُد بُد ہوتی ہے تو ادب کی لطافتوں اور باریکیوں سے محروم ہوتے ہیں اور کچھ لوگوں کو ادب کی شُد بُد ہوتی ہے، تو توحید کے معارف سے محروم ہوتے ہیں۔ مؤدب ہوتے ہوئے موحد ہونا اور موحد ہوتے ہوئے مؤدب ہونا، یہ بہت بڑی سعادت ہے۔ دوستو! اور میں خدا سے اس سعادت کی بھیک مانگتا ہوں۔

## آئینِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا نفاذ:

اگلی بات یہ عرض کرتا ہوں کہ شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کا یہ مشن تھا کہ اس خطۂ زمین پر آئینِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو نافذ کریں۔اے کاش! کہ تم اسے اپنا مشن بناؤ۔محض چند فروعی اور اختلافی مسائل پر اپنی تمام توانائی کو غارت کردینا اور احیائے دین اور آئینِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے نفاذ کے کام سے یکسر غافل ہونا، میں جُرمِ عظیم سمجھتا ہوں۔

اے کاش کہ آئینِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے نفاذ کے اس عظیم مقصد کو تم اپنے پیشِ نظر رکھو اور اس کے لیے مسلسل تگ و دو کرو، جس کے لیے شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ اور سید احمد شہید رحمہ اللہ نے اپنی جان تک کو نچھاور کر دیا تھا۔

دوستو! ہمیں اپنا محاسبہ کرنا چاہیے۔وہ لوگ بہت اچھے ہوتے ہیں جو اپنا احتساب کرتے ہیں، جو اپنی گھات میں بیٹھ کر اپنی چوریاں پکڑتے ہیں:

خواہی اگر کہ عیب تو روشن شود ترا
یکدم منافقانہ نشین در کمین خویش

ہم جو اتباعِ سنت پر اس قدر زور دیتے ہیں، تو کیا سچ مچ سنت کی پیروی ہمارا شعار ہے؟ کیا چند فروعی مسائل پر جھگڑنا اتباعِ سنت ہے؟

## اطاعتِ امیر:

آپ غور کیجیے کہ احادیث میں اطاعتِ امیر پر کس قدر زور دیا گیا ہے۔جماعتی نظم وضبط کو برقرار رکھنے اور امیر کی اطاعت وانقیاد کی کس شدت سے تلقین کی گئی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من يطع الأمير فقد أطاعني ومن يعص الأمير فقد عصاني

جو امیر کی اطاعت کرتا ہے، وہ حقیقت میں میری اطاعت کرتا ہے اور جو امیر کی نافرمانی کرتا ہے، وہ حقیقت میں میری نافرمانی کرتا ہے۔(بخاری: 7137)

کچھ لوگ امیر کو بھینگی آنکھ سے دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں، اس لیے یہ بھی فرمادیا:

اسمعوا وأطیعوا ولو استعمل علیکم عبد حبشی

دیکھو! امیر کی بات مانو، اگر چہ تم پر کالا بھجنگ حبشی غلام ہی کیوں نہ مقرر کر دیا جائے۔ (مسند احمد: 6/403)

آپ غور کریں، آپ کس طرح مجلس شوریٰ میں امیر منتخب کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہ باہر سے امیر آپ پر ٹھونس دیا جاتا ہو اور آپ دولتیاں جھاڑیں کہ کہاں سے آ گیا ہے۔ پچھلے پچیس برسوں سے تو میں دیکھ رہا ہوں کہ خود امیر بناتے ہیں اور پھر خود ہی اس کے خلاف سازشیں کرتے ہیں، خود اس کی ٹانگیں کھینچتے ہیں، خود اس کی تذلیل و تحقیر کرتے ہیں۔

دوستو! یہ کتنی بڑی نحوست ہے، یہ تو ہم نے اسلام کی بنیادوں کو ڈھا دیا، تم کون سے اتباع سنت کا ذکر کرتے ہو، یہ خلفشار، یہ انتشار، یہ انارکی، یہ طوائف الملوکی کہ ہر شخص خاک اڑا رہا ہے، امیر کے سر پر بھی خاک پڑی ہوئی ہے، سب کے چہرے لتھڑے ہوئے ہیں، سب کے سروں پر خاک پڑی ہوئی ہے:

فَمَالِهَـٰٓؤُلَاۤءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثاً [النساء: 78]

دوستو! کچھ لوگ تو ویسے ہی باغی ہوتے ہیں اور کچھ جماعت کے اندر رہ کر بھی امیر کو معطل کیے رکھتے ہیں اور اپنا حکم چلاتے ہیں، وہ بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں سنگین مجرم ہیں۔ یہ جماعت کے اندر رہتے ہوئے امیر کو معطل کیے رکھتے ہیں اور اسے الو بنا کر اپنا الو سیدھا کرتے ہیں۔ یہ فریب اور دھاندلی، یہ کیا زندگی ہے جو تم بسر کرتے ہو؟ یاد رکھو! جب تک جماعت کے تمام افراد امیر پر اس طرح جانیں نہ چھڑکیں، جس طرح پتنگے شمع دان پر گرتے ہیں، اسلام کے جماعتی نظام کی ابجد ہوز بھی سیدھی نہیں ہوتی۔ یہ دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف حسد اور بغض کا ہونا، یہ اڑنگا بٹخی، یہ دھول دھپا اور دھینگا مشتی، کیا یہ دینی زندگی ہے؟

## بزرگوں کی تصنیفات:

دوستو! ہمارے بزرگوں کی تصانیف کو دیمک چاٹ رہا ہے، ہم میں کوئی نہیں جو ان بزرگوں کے حالات زِندگی کو ضبط تحریر میں لائے، عظیم شخصیتیں تمہارے ہاں گزری ہیں۔ لوگوں نے اپنے بزرگوں کے خادموں کے حالات زِندگی بھی لکھ ڈالے، تم کو کیا ہوا کہ جن لوگوں نے ساٹھ ساٹھ برس تک تمہاری بے لوث خدمت کی، ان پر قلم اٹھانے کے لیے تمہارے پاس وقت نہیں ہے۔ تمہیں الیکشن جیتنے اور ہارنے کا ایسا لپکا پڑ گیا ہے کہ اور کسی بات کا تمہیں ہوش باقی نہیں رہا۔ تمہاری درسگاہیں بنجر ہو گئیں، بانجھ ہو گئیں، ان

درس گاہوں سے اب کوئی مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ پیدا نہیں ہوتے، کوئی مولانا ابراہیم سیالکوٹی رحمہ اللہ پیدا نہیں ہوتے، کوئی داؤد غزنوی رحمہ اللہ پیدا نہیں ہوئے، نہ اہل قلم پیدا ہوتے ہیں، نہ مبلغ پیدا ہوتے ہیں، نہ مقرر پیدا ہوتے ہیں، نہ محقق پیدا ہوتے ہیں اور یہ باتیں تھیں غور کی۔ دوستو! تم دن رات اُکھاڑ پچھاڑ میں لگے رہتے ہو، یہ کیا زندگی ہے جو تم نے اختیار کر رکھی ہے؟ آہ! کس قدر درد ہے میرے سینے میں جس کا میں اظہار کر رہا ہوں اور اس تلخ نوائی کے لیے آپ سے معذرت چاہتا ہوں، مرکزیت نہ ہو تو خلفشار ہے، انتشار ہے۔

امام اسے بناؤ جسے روح کی گہرائیوں سے پیار کرو، چند برس پہلے بھی میں یہاں آیا تھا اور اپنی باتیں کہہ گیا تھا، مگر تمہارے سینوں میں دل نہیں، پتھر ہیں جن سے میری آواز ٹکرا کے لوٹ آئی ہے، تم نے اعراض ہی نہیں کیا، تم نے:

جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا [نوح: 7]

"تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور کپڑے اوڑھ لیے اور اڑ گئے اور اکڑ بیٹھے۔"

کی تمام سنتیں پوری کر دیں۔

## اللہ کا ذکر کثرت سے کرو:

ایک نصیحت تمہیں اور کرتا ہوں، روزانہ کچھ وقت اللہ اللہ بھی کیا کرو۔ میں نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ ہر وقت جدل و بحث ہی میں لگے رہتے ہیں اور اللہ کے ذکر سے یکسر غافل ہیں۔ ہمارے اسلاف تو ایسے نہ تھے، وہ سب ذاکر تھے، ان کی زبانیں ذکر سے رکتی نہ تھیں۔ شیخ شمس الحق ڈیانوی رحمہ اللہ "غایۃ المقصود" کے مقدمے میں حضرت عبد اللہ غزنوی رحمہ اللہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

کان مستغرقا فی ذکر اللّٰہ فی جمیع أحیانہ

وہ آٹھوں پہر، چونسٹھ گھڑی خدا کے ذکر میں ڈوبے رہتے تھے۔

شیخ لکھتے ہیں:

وکان لحمہ وعظامہ وأعصابہ وأشعارہ متوجھا إلی اللّٰہ فانیا فی ذکر اللّٰہ۔

ان کا گوشت، ان کی ہڈیاں، ان کے پٹھے، ان کا ہر ہر بُن مُو خدا کی طرف متوجہ رہتا تھا اور خدا کے ذکر میں فنا ہو گیا تھا۔

یہ تھے ہمارے اسلاف، ہم تو دنگا فساد اور لڑائی جھگڑے میں پڑ گئے۔ میں نے دیکھا کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کی کھلّی اُڑا رہا تھا اور اس پر پھبتی کس رہا تھا کہ تمہارا درود غیر مسنون ہے اور تم بدعتی ہو۔ میں نے اسے کہا کہ بھائی آج جمعہ تھا، خود تم نے کتنا دورد پڑھا؟ یہ تو تم نے کہا کہ اس نے غلط درود پڑھا، مگر تمہاری اپنی زبان بھی تو ساکت وصامت تھی؟ مسنون درود پڑھنے کی آج ایک بار بھی تمہیں توفیق نہ ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أكثروا عليّ الصلاة يوم الجمعة

''جمعہ کے دن مجھ پر درود کثرت سے بھیجا کرو۔''

(مستدرک، 2/421 علل الحدیث:، 589 اذکار ابن سنی:، 373 مصنف عبدالرزاق: 5338)

ہم پر کسی غفلت طاری ہوئی، جمعہ کے دن ہم نے درود پڑھنا بھی چھوڑ دیا۔ مولانا عبدالواحد غزنوی رحمہ اللہ کی عجب کیفیت ہوتی تھی جمعہ کے دن۔ ان کی زبان درود سے رُکتی نہ تھی۔ ان کی ایک عزیزہ نے جو ابھی زندہ ہیں اور معمر خاتون ہیں، مجھ سے ذکر کیا کہ ایک جمعہ کو عصر کے وقت میں مولانا عبدالواحد غزنوی رحمہ اللہ سے پوچھ بیٹھی کہ آپ نے میری فلاں چیز بازار سے منگوالی ہے؟ ان کا چہرہ متغیر ہوگیا، کہنے لگے: تم کو کیا ہوگیا ہے؟ دیکھو ساری کائنات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقوں کے درود فرشتے مدینہ منورہ لیے جارہے ہیں، تم دنیا کی باتیں کررہی ہو، درود پڑھو خدا کے لیے۔ یہ ہمارے اسلاف تھے دوستو! ہم کو کیا ہوگیا؟ صرف تخریب، صرف خاک اڑانا ہمارا کام رہ گیا۔

ہاں تو میں عرض کررہا تھا کہ کچھ وقت روزانہ اللہ اللہ کیا کرو۔ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس دنیا میں خدا کے ذکر کی لذت سے بڑھ کر کوئی لذت نہیں، دنیا کی تمام لذتیں ذکر کی لذت کے سامنے ہیچ ہیں۔ ایک فقیر کہتا ہے:

اندر بوٹی مشک مچایا جان پھلن پر آئی ہو

''میرا سینہ ذکر سے مہک اٹھا ہے، میں آپے سے باہر ہوا جاتا ہوں۔''

خاقانی کہتا ہے:

پس از سی سال این نکتہ محقق شد بہ خاقانی
کہ یکدم با خدا بُودن بہ از ملک سِلیمانی

’’تیس سال میں لذت کی تلاش میں پھرتا رہا۔تیس سال کے بعد یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچی کہ ایک لمحہ خدا کی معیت میں گزار دینا تخت سلیمانی کے ہاتھ آنے سے بھی بہتر ہے۔‘‘

دوستو! خدا کا ذکر بڑی چیز ہے۔اور یہ بات بھی پلّے باندھ لو کہ لذت آئے یا نہ آئے،اس کے ذکر میں لگا رہنا چاہیے،جو آدمی لذت آئے تو ذکر کرتا ہے اور نہ آئے تو نہیں کرتا ہے،وہ لذت پرست ہے،اللہ پرست نہیں ہے۔میرے ایک بزرگ کہا کرتے تھے:

یابم او را یا نیابم جستجوئے میکنم
حاصل آید یا نی آید آرزوئے میکنم

’’میں اسی جستجو میں لگا رہتا ہوں،اسے حاصل کرسکوں یا نہ کرسکوں۔یہ کیا کم ہے کہ اپنی تمنا کا چراغ اس نے میرے سینے میں جلا دیا ہے،اپنی آرزو سے میرے سینے کو آباد کر دیا ہے،یہ کرم کچھ کم ہے جو اس نے مجھ پر کیا ہے؟‘‘

دوستو! فراق ہو یا وصل،کیف ہو یا بے کیفی ہو،قبض ہو یا بسط،اس کے آستانے پر جم کر بیٹھے رہو اور اللہ اللہ کرتے رہو:

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد از و غیر او تمنائے

’’فراق اور وصل کیا چیز ہے؟ دوست کی رضا مانگو۔حیف ہے جو اس سے اس کے سوا کسی اور کی آرزو کرو۔‘‘

اگر ذاکر ہر وقت کیف اور لذت میں رہے تو اس میں غرور اور کبر پیدا ہو جائے اور ابلیس کی طرح راندۂ درگاہ ہو۔یہ بے کیفی بھی اس کی ربوبیت ہے کہ اس بے کیفی کی حالت میں انسان کو اپنی اوقات معلوم ہوتی ہے اور اس میں عجز و نیاز پیدا ہوتا ہے:

بہ دُرد و صاف تُرا حکم نیست دَم درکش
ہر آنچہ ساقئ ما ریخت عین الطاف است

’’تم دم سادھے رہو اور ساقی سے مت کہو کہ مجھے تلچھٹ پلاؤ یا مئے صافی دو۔ساقی کی شفقت پر ایمان لاؤ،وہ جو کچھ تیرے پیالے میں ڈالتے ہیں،عین لطف و کرم ہے۔‘‘

یہ فراق اور وصل کی منزلیں،یہ بڑے لوگوں کی باتیں ہیں۔ایک عارف کہتا ہے:

ہمینم بس کہ داند ماہ رُ ویم

کہ من نیز از خریداران اُو یم

فرماتے ہیں کہ میں تو اسی طات پر و جد میں ہوں کہ میرا محبوب جانتا ہے کہ میں بھی اس کے طلب گاروں میں ہوں، اصل بات اس کے آستانے پر جم کر بیٹھنا ہے اور اس کے ذکر میں لگے رہنا ہے۔

غالب کہتا ہے:

اس فتنہ خو کے دَر سے اب اُٹھتے نہیں اسدؔ

اس میں ہمارے سر پر قیامت ہی کیوں نہ ہو



دیکھو، غالب رند ہو کر کیسی استقامت کی بات کہہ گیا۔ تُف ہے ہم پر اللہ کے عاشق ہونے کا دعویٰ کریں اور اتنی استقامت بھی نہ دکھلاسکیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ امام صاحب تہجد کے وقت دعا فرماتے تھے:

رحم اللّٰہ أبا الھیثم

یا اللہ! تو ابو الہیثم پر رحم فرما۔

مجھے بڑا رشک آیا کہ یہ کون ہے، جس کے لیے اس قدر الحاح اور عاجزی سے دعا فرماتے ہیں۔ ایک دن جرأت کر کے پوچھ لیا کہ یہ ابو الہیثم کون ہے؟ فرمایا:

"جب مجھے درے لگنے والے تھے اور مجھے جیل خانے کی طرف لے جا رہے تھے اور ضمیر فروش مولویوں نے آ آ کر مجھے تحریفیں کر کر کے آیتیں سنائیں اور کہا کہ کس نے اتنی ضد اور ہٹ کی ہے اے احمد، جو تم کر رہے ہو۔ امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں بھی کچھ ڈانواں ڈول ہونے لگا تھا، اس وقت ایک ڈاکو میرے سامنے آیا، جس کا بازو کٹا ہوا تھا، اس نے کہا: احمد! میں ڈاکہ زنی کی پاداش میں کئی بار جیل جا چکا ہوں۔ میں جب رہا ہوا ہوں، سیدھا ڈاکہ ڈالنے کے لیے گیا۔ میرا ہاتھ کاٹ دیا گیا، پھر بھی ڈاکہ ڈالتا رہا، اب میرا بازو کاٹ دیا گیا اور میں اب پھر ڈاکہ ڈالنے کے لیے جا رہا ہوں۔ اس نے کہا: احمد! میری یہ استقامت

شیطان کے راستے میں ہے۔ حیف ہے تجھ پر اگر خدا کے راستے میں اتنی بھی استقامت نہ دکھا سکو۔ امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں استقامت کا پہاڑ بن گیا، اس کے لیے دعا کرتا ہوں:

رحم اللّٰہ أبا الهيثم

سوداً قمارِ عشق میں خسرو سے کوہ کن
بازی اگرچہ لے نہ سکا، سر تو کھو سکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے رُوسیاہ! تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

پس اس کے آستانے پر جم کر بیٹھنا، اس کی غلامی پر ناز کرنا، توحید و ادب کو یکجا کرنا، مرکزیت کو قائم کرنا، اپنے بزرگوں کی تصنیفات کو زندہ کرنا اور اپنی درسگاہوں سے جو بانجھ ہوگئی ہیں، جو بنجر ہوگئی ہیں، نکاسی کا سامان کرنا، یہ ہیں کام کرنے کے دوستو! اس بات کے لیے سر جوڑ کر بیٹھنا کہ نکاسی کیسے ہوگی؟ درسگاہوں سے اہلِ قلم کیسے نکل سکتے ہیں؟ مبلغ کیسے پیدا ہو سکتے ہیں؟ مقرر کیوں کر پیدا کیے جائیں؟ ورنہ قحط ہوتا چلا جائے گا دوستو! نہ کوئی اہلِ قلم ملے گا، نہ مقرر ملے گا، نہ قاری ملے گا، نہ محدث ملے گا، بانجھ ہوتی چلی جائے گی یہ زمین، اگر تم الیکشنوں میں لگے رہے دوستو! یہ باتیں ہیں کرنے کی۔ مرکزیت کو قائم کرنا۔ روح کی پوری گہرائیوں سے اس کے ساتھ وابستگی کو محسوس کرنا۔ جو شخص اللہ اللہ نہیں کرتا ہے، اس کے دل کا کھوٹ نہیں جاتا ہے۔ اس کو مرکز کے ساتھ وہ وابستگی نہیں ہو سکتی ہے جو اللہ والوں کو اپنے مرکز سے ہوتی ہے۔



## یادِ رفتگاں:

یہ درسگاہ حضرت صوفی عبداللہ صاحب نوراللہ مرقدہ کی یادگار ہے۔ وہ کس قدر اللہ اللہ کیا کرتے تھے۔ اللہ نے انہیں کیسی عزت بخشی۔ تم الیکشن لڑلڑ کر ذلیل ہوئے، وہ اللہ کے ذکر میں فنا ہو کر معزز ہوئے۔ حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ کا ذکر کرتے ہوئے دل پر عجیب کیفیت طاری ہے۔ مجھے یاد ہے کہ پچھلی مرتبہ جب میں یہاں تقریر کرنے لگا، تو اس وقت کوئی اور صاحب جلسے کی صدارت کر رہے تھے۔ صوفی صاحب رحمہ اللہ غلبۂ حال میں بھاگے ہوئے آئے اور صاحب صدر سے منت کی کہ اب میں صدارت کروں گا۔ کرسی صدارت پر بیٹھ گئے اور ان پر جذب کی حالت طاری تھی، میں گفتگو کر رہا تھا اور ان کا چہرہ تمتما رہا تھا۔

## اس رُخِ آتشیں کی شرم سے رات
## شمع مجلس میں پانی پانی تھی

حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ بیمار ہوئے تو ان کی عیادت کے لیے میں لاہور سے لائل پور (فیصل آباد) آیا۔ انہوں نے میرے ساتھ مل کر دعا کی اور بہت دیر تک دعا کرتے رہے۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ حضرت سید مولا بخش کوموی رحمہ اللہ بھی وہاں موجود تھے، ان کے ساتھ الگ بیٹھ کر دعا مانگنے کا شرف بھی مجھے حاصل ہوا۔ یہ آخری دعا تھی جو حضرت کوموی رحمہ اللہ نے میرے ساتھ مانگی۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ان کے ساتھ میری یہ آخری دعا ہے تو میں دعا کو اور لمبا کرتا۔

جب حرمین سے واپسی ہوئی تو جدہ میں حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ دومنٹ کے لیے ملاقات ہوئی۔ خیریت پوچھی اور پھر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ یہ آخری دعا تھی جو حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ میں نے مانگی اور مجھے علم نہیں تھا کہ وہ میرے ساتھ آخری دعا مانگ رہے ہیں۔

دیکھئے! یہ قافلہ کس تیزی سے رخصت ہو رہا ہے۔ صوفی صاحب رحمہ اللہ رخصت ہوئے، حضرت کوموی رحمہ اللہ رحلت فرما گئے، مولانا عبداللہ رحمہ اللہ روڑی والے بھی وفات پا گئے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہیں کسی عہدے کی ہوس نہ تھی اور اس کے باوجود عہدوں کی ہوس کرنے والوں سے زیادہ معزز تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو مثبت انداز میں دین کا کام کرتے رہے۔ یہ وہ لوگ تھے جو اپنے مشن میں فنا ہوئے، یہ وہ لوگ تھے جن کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوّاً فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَاداً [القصص: 83]

"آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لیے مختص کر دیا ہے جو روئے زمین پر منصب کی بلندی اور فساد نہیں چاہتے ہیں۔"

آپ نے غور فرمایا کہ اس آیت میں لفظ 'عُلُوّاً' استعمال کیا اور اب تو ہر شخص کو یہ لت پڑی ہے کہ وہ ناظم اعلیٰ ہو۔ ناظم اعلیٰ کا لفظ بھی 'عُلُوّ' سے ہے اور اور یہ وہی بیماری ہے جس کا قرآن ذکر کر رہا ہے۔ جن لوگوں کو ناظم اعلیٰ بننے کی ہوس ہے، وہ "يُرِيدُونَ عُلُوّاً" کے زمرے میں شامل ہیں۔ اور جو اڑنگا پٹخنی دھینگا مشتی میں لگے ہیں، وہ "فَسَاداً" کے زمرے میں شامل ہیں۔ یاد رکھو! جو اپنے آپ کو خدا کی راہ میں فنا کرتا ہے، خدا سے بقا بخشتے ہیں، اس کو سچی اور دائمی عزت عطا فرماتے ہیں۔

آئیے! ہم اب سب مل کر دعا کریں کہ خدا ان سب کی قبروں کو نور سے بھر دے اور جو باتیں ہم نے کہی ہیں، ان پر مجھے

اور آپ کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

یہ تقریر ماموں کانجن کی اہل حدیث کانفرنس منعقدہ اکتوبر 1975 میں کی گئی ہے۔

شائع کردہ

انجمن تقویۃ الاسلام۔ 4 شیش محل روڈ۔ لاہور

# مختصر سوانح مبارک

## حضرت اقدس مولانا الشاہ عبد الحلیم صاحب

## بانیٔ مدرسہ ریاض العلوم جونپور

قسط ۲

عامر محمد

مولانا موصوف کے مدرسہ کے اور بھی متعدد طلبہ ہمارے یہاں مختلف شعبہ ہائے علم میں داخل ہیں، اللہ تعالیٰ مدرسہ ریاض العلوم کو اور مولانا موصوف کو زیادہ سے زیادہ ترقیات سے نوازے۔

اہل خیر حضرات سے یہ ناکارہ پُرزور سفارش کرتا ہے کہ مدارس عربیہ خصوصاً مدرسہ عربیہ ریاض العلوم چوکیہ، گورینی کی جو بھی خدمت ہوسکتی ہو اس سے دریغ نہ فرمائیں، کہ ان مدارس کی خدمت، صدقۂ جاریہ ہے، مرنے کے بعد ہی کام آنے والی ہے۔ واللّٰہ الموفق لما یحب ویرضیٰ

# شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب۔ بقلم: محمد سلمان

## طالب علمی میں حضرت شیخ کی خدمت:

۱۳۴۷ھ میں جب مظاہر علوم میں داخلہ لیا، تو اسی وقت پہلی بار حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی زیارت نصیب ہوئی، جدید طالب علم ہونے کی وجہ سے حضرت شیخ کا رُعب بہت زیادہ تھا، جس کی بناء پر سبق کے دوران بولنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، اگرچہ اکثر عبارت پڑھنے کا موقع اسی ناکارہ کو ملتا تھا، ایک مرتبہ حضرت شیخ نے فرمایا: فیض آبادی طلبہ تو بالکل خاموش رہتے ہیں، کچھ بولتے ہی نہیں، تھوڑے ہی دنوں کے بعد حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں آمدورفت شروع ہوگئی، اور دوپہر کا کھانا بھی ساتھ ہی ہونے لگا، اُن دنوں دسترخوان پر یہ ناکارہ، مولانا امیر احمد صاحب کاندھلویؒ اور چند خدام ہوتے تھے اور بس، دورۂ حدیث کی مشغولی

اور وقت کی تنگی کے باوجود یہ ناکارہ دوپہر میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر، پابندی سے سر پر تیل ملتا، سر پر تیل ملتے وقت حدیث پاک کے بعض اشکالات عرض کرتا، اور حضرت شیخ بسط سے جواب مرحمت فرماتے۔

## طالب علمانہ سوال کا جواب

ایک بار اِس ناکارہ نے عرض کیا کہ احادیث میں بکثرت بین السجدتین دعا پڑھنے کا ذکر ہے، اور حضرات احناف سب کو نوافل پر محمول کرتے ہیں، وجہ کیا ہے؟ حضرت شیخ نے فرمایا: فرائض کا مبنیٰ تخفیف پر ہے، اور قومہ و جلسہ کی دعائیں تخفیف کے منافی ہیں، اِس ناکارہ نے عرض کیا: یہ حکم تو جماعت کے لیے ہوسکتا ہے، منفرد کو اجازت ہونی چاہیے کہ وہ فرض میں ادعیۂ طویلہ پڑھے، اس پر حضرت شیخ نے فرمایا: پیارے! فرض نماز بھی کہیں تنہا ہوتی ہے؟ فقہاء کی نگاہ میں فرض نماز کے لیے جماعت لازم ہے، گویا منفرد کی نماز، نماز ہی نہیں۔ انتہیٰ

## تیرے مولوی نے کیا بیان کیا؟

اُسی زمانہ یعنی ۱۳۴۸ھ میں حضرت شیخ الاسلام مدنی قدس سرہ کا معمول تھا کہ ہر پنج شنبہ کی شب کو دیوبند سے سہارنپور تشریف لاتے اور جامع مسجد میں سیرت پاک پر وعظ فرماتے، طلبہ کو وعظ میں شرکت کی عام اجازت تھی، اس لیے یہ ناکارہ بالالتزام وعظ میں شریک ہوتا، جمعہ کے دن جب حضرت شیخ کی خدمت میں حاضری ہوتی، تو مزاحاً فرماتے: کل تیرے مولوی (حضرت شیخ الاسلام) نے کیا بیان کیا؟ چونکہ یہ ناکارہ فیض آبادی تھا، اور حضرت مدنی قدس سرہ بھی قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد کے اصل باشندے تھے، اس لیے بر بنائے محبت حضرت شیخ یوں سوال فرماتے، جو کچھ یاد ہوتا عرض کر دیتا۔

## تیرے مولانا کو خوب موقع ملا

ایک بار حضرت مدنی نے سیرت پاک کا وہ واقعہ ذکر فرمایا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ردائے مبارک کو ایک بدو نے زور سے کھینچا کہ شانۂ مبارک پر چادر کے نشانات پڑ گئے، حضرت مدنیؒ نے یہاں پہنچ کر بڑے تیز لہجہ میں فرمایا: کہ چادر مبارک ململ کی نہیں تھی، نرم نہیں تھی، موٹی تھی، گاڑھے کی تھی، کھدر کی تھی اور پوری تقریر دیسی اور ولایتی کے فرق پر فرماتے رہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ململ وغیرہ نفیس کپڑے زیبِ تن فرماتے تھے، اور حضرت مدنیؒ ململ کے مخالف اور کھدر کے

فریفتہ تھے،حضرت شیخ کے سوال پر کہ رات کیا وعظ ہوا تھا،اس ناکارہ نے مذکورہ بالا مضمون کو نقل کیا،اس پر حضرت شیخ بے ساختہ ہنسے اور فرمایا: ہاں! تیرے مولانا کو خوب موقع ملا۔

## تیرے فیض آباد میں بھی کوئی پڑھا لکھا ہے؟

ایک بار حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے مزاحاً فرمایا: کہ ارے! تیرے فیض آباد میں بھی کوئی پڑھا لکھا ہے؟ اس ناکارہ نے عرض کیا: جی ہاں! وہ کیا ہر پنج شنبہ کو تشریف لاتے ہیں؟ ہنس کر فرمایا: چل بس وہی ایک......غرضیکہ حضرت شیخ درس میں، دسترخوان پر اور سر میں تیل ملتے وقت بڑی شفقت کرتے تھے،جس سے طبیعت بہت متأثر ہوتی،اور تعلق وعقیدت کا سلسلہ اخیر عمر تک قائم رہا۔ فللّٰہ الحمد والمنۃ

## حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ سے اصلاحی تعلق

طالب علمی کے زمانے میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے انتہائی قرب ومحبت اور عقیدت وتعلق تھا،تعلیم سے فراغت پر حضرت شیخ کی ایماء سے مظاہر علوم میں معین مدرس ہونے کا بھی شرف حاصل ہوا، جو اپنی صحت کی خرابی کی وجہ سے قائم نہ رہ سکا، لیکن اپنے وطن آنے کے بعد حضرت شیخ ہی کے حکم سے دینی مکتب قائم کیا،اور دوسرے امورِ دینیہ حضرت شیخ ہی کے مشورے سے انجام پاتے رہے،لیکن حضرت شیخ سے اُس وقت اصلاحی تعلق قائم نہ ہوسکا، بلکہ حضرت شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ خلیفہ ومجاز حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے اصلاحی تعلق قائم ہوگیا اور اپنی نااہلی کے باوجود حضرت کے یہاں سے خلافت واجازت بھی ملی، جب حضرت شیخ کو اس کا علم ہوا،تو حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب علیہ الرحمہ نے حکماً فرمایا: کہ لوگوں کو بیعت کرنا شروع کردو،۱۹۶۸ء میں حضرت شاہ صاحب کے انتقال کے بعد،حضرت شیخ سے بیعت کا تعلق قائم کیا،اور خط وکتابت کا تو ہمیشہ سے معمول تھا ہی۔

## خلافت

غالباً ۱۳۹۴ھ میں رمضان المبارک میں قیام،سہارنپور میں تھا، دارجدید کی مسجد میں یہ ناکارہ بھی معتکف تھا،سحر کے وقت حضرت شیخ نے بلوایا،اور اجازت مرحمت فرمانے کے بعد ایک مصلّٰی عنایت فرمایا،جب بھی حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کا قیام رمضان

المبارک میں سہارنپور میں ہوا، اس ناکارہ نے اعتکاف میں شرکت کی خواہش کا اظہار کیا اور اجازت چاہی تو یہی فرمایا: کہ پیارے! اپنی جگہ اپنے انڈے اور بچے لے کر کام کرو۔ (حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہٗ اور ان کے خلفائے کرام: ۳۲/۳۱۳، دارالعلوم العربیہ الاسلامیہ، ہول کمب، بری، انگلینڈ)

البتہ حضرت کی زندگی کے کچھ گوشے باقی رہ جاتے ہیں، جنھیں مختلف کتب و رسائل میں بکھری ہوئی کڑیوں کو ملا کر مکمل کیا جاتا ہے:

## علمی و عملی کمالات

حضرت والا کے بے شمار علمی و عملی کمالات ہیں، جن کے لیے مستقل ایک دفتر کی ضرورت ہے، ذیل میں مختصراً لکھے جاتے ہیں:۔

آپ کی مجلس کے حاضر باش حضرت مولانا وقاری محمد اسماعیل صاحب صدر القراء مدرسہ ہذا رقم طراز ہیں: آپ اپنے وقت کے ایک زبردست بلند پایہ، جید عالم تھے، پوری زندگی درس و تدریس اور خدمتِ خلق میں گزار دی، علم نحو اور علم فرائض میں بڑی مہارت حاصل تھی، اگر یہ کہا جائے کہ آپ ان دونوں فن کے امام تھے تو بے جا نہ ہوگا، علم فرائض میں ایک کتاب سراجی ہے، جو مدارس اسلامیہ میں داخل نصاب ہے، آپ کو اس سے بہت مناسبت تھی، گویا کہ اس کے حافظ تھے، سنا ہے کہ الہ آباد میں اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا الشاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے حکم سے علماء حضرات کو پڑھاتے تھے، اور مدرسہ مانی کلاں کے اساتذہ حضرات بھی خارج وقت میں آپ سے سراجی کا درس لیتے تھے، احقر راقم الحروف بھی اس درس میں شریک ہوتا تھا، آپ نے ایک سال بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف کا بھی درس دیا ہے، بیضاوی شریف بھی اساتذہ حضرات کو خارج وقت میں پڑھاتے تھے، احقر بھی اس میں شریک ہوتا تھا۔

ایک دوسرے عالم لکھتے ہیں: آپ متقدمین کے طرز پر اسباق پڑھایا کرتے تھے، طلبہ پر زور دیتے کہ عبارت خوانی کے بعد کم از کم ترجمہ خود کریں، حل معانی و مطالب مختصر الفاظ میں بولتے جاتے تھے، درس نظامی کی کتابوں پر اس قدر عبور تھا کہ صفحہ، نصف صفحہ کی عبارت بلا تکلف زبانی پڑھ لیا کرتے تھے، مشکل مقامات کی وضاحت اتنی آسان و سلیس زبان میں کرتے تھے کہ عبارت پانی ہو کر طلبہ کے ذہن نشیں ہو جاتی، فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو فن تفسیر میں بیضاوی و جلالین، حدیث میں مشکوۃ، فقہ میں ہدایہ اخیرین و درمختار و سراجی، عربی ادب میں حماسہ، منطق میں ملاحسن و صدرا، اور نحو میں شرح جامی سے مناسبت ہے، ان کتابوں کو

اتنا پڑھایا ہے کہ جزو زندگی بن گئی ہیں، ابتدا میں مختلف درجات کے دس بارہ اسباق متعلق ہوتے، جنھیں پورے اہتمام و پابندی کے ساتھ پڑھا کر دَم لیتے تھے۔

# حضرت یوسف علیہ السلام کی سیرت اپناؤ

مولانا محمد داؤد الرحمن علی

عارف باللہ حضرت شاہ محمد حکیم اختر صاحب دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

حضرت یوسف علیہ السلام جب آزمائش میں مبتلا ہوئے۔۔۔۔۔۔۔۔تو انہوں نے بھی یہی کام کیا کہ اپنی طرف سے کوشش کی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ چنانچہ جب زلیخہ نے تمام دروازوں پر تالے لگا دیے۔۔۔۔۔۔۔اور حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ کی دعوت دی۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔کہ دروازوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔۔۔۔۔۔اور نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔۔۔۔۔۔مگر حضرت یوسف علیہ السلام دروازے کی طرف بھاگ پڑے۔۔۔۔۔۔اب جب کہ آنکھوں سے نظر آ رہا ھے۔۔۔۔۔۔۔۔کہ دروازوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔۔۔۔۔۔تو بھاگ کر کہاں جاؤں گا۔۔۔۔۔۔راستہ تو ھے نہیں۔۔۔۔۔۔مگر چونکہ اپنے اختیار میں تو اتنا ہی تھا۔۔۔۔۔۔۔کہ دروازے تک بھاگ جاتے۔۔۔۔۔۔۔چنانچہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے حصے کا کام کرلیا۔۔۔۔۔اور اپنے اختیار میں جو تھا۔۔۔۔۔۔۔۔وہ کرلیا۔۔۔۔۔اور دروازے تک پہنچ گئے تو اللہ تبارک وتعالٰی سے یہ کہنے کے حق دار ہوں گئے کہ یا اللہ میرے اختیار میں بس اتنا ہی تھا۔۔۔۔۔میرے بس میں اس سے زیادہ نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔اب آگے تو آپ کے کرنے کا کام ھے۔۔۔۔۔۔۔تو جب اپنے حصہ کا کام کرکے اللہ تبارک وتعالٰی سے مانگ لیا کہ یا اللہ۔۔۔۔۔۔۔۔باقی آگے کا کام آپ کے قبضے میں ہے۔۔۔۔۔تو پھر اللہ تبارک وتعالٰی نے بھی اپنے حصہ کا کام کرلیا اور اللہ تبارک وتعالٰی نے دروازوں کے تالے توڑ دییئے۔۔۔۔۔۔اسی بات کو حضرت رومی رحمہ اللہ کتنے خوبصورت انداز میں بیان فرماتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔کہ۔۔۔۔۔۔۔

گرچہ رخنہ نیست عالم راہ پدید
خیرہ یوسف دارمی باید دوید

اگر چہ تمہیں اس دنیا کے اندر کوئی راستہ اور کوئی پناہ گاہ نظر نہیں آ رہی ہے۔۔۔۔۔۔۔ چاروں طرف گناہوں کی دعوت دی

جارہی ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔لیکن تم دیوانہ وار اس طرح بھاگو۔۔۔۔۔۔جس طرح یوسف علیہ السلام بھاگے ۔۔۔۔۔۔۔۔تم جتنا بھاگ سکتے ہو تو بھاگ لو۔۔۔۔۔۔۔باقی اللہ تبارک وتعالٰی سے مانگو۔۔۔۔۔۔۔۔۔بہر حال اگر انسان یہ دو کام کرلے۔۔۔۔۔۔ایک اپنی استطاعت کی حد تک کرلے اور دوسرا اللہ تبارک وتعالٰی سے مانگے ۔۔۔۔۔۔۔یقین کیجئے دنیا میں کامیابی کا سب سے بڑا راز یہی ہے۔

# بزرگانِ دین کے فیوض و برکات کا روحانی سفر

ادارہ

## قطب العالم ولی کامل عارف باللہ حضرت حاجی سید عابد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

آخری قسط

---

دیوبند کی سرزمین کویہ فخر حاصل ھے کہ وھاں تاریخ کی مایہ ناز شخصیتیں پیدا ھوئیں۔

---



ہم جس دین سے تعلق رکھتے ہیں اس میں ایک دوسرے کی نیت پر اشارتاً بھی شبہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالی نے نیک دلی اور نیک نیتی ودیعت فرما تھی۔وہ ایک درویش صفت مقبول خلائق اور مرجع عوام وخواص تھے۔ان کی عملی قوت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے جو ان کے بارے میں کہی جاتی تھی کہ دیوبند کے مدرسہ کو حاجی سید عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ کی مدد کے بغیر" روم کا بادشاہ بھی نہیں چلا سکتا تھا"۔مولانا فضل الرحمن صاحب جو دارالعلوم کے ممبر شوری تھے انہوں حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مردحق،عابد وصداقت کیش اور طائر ہمایوں فال کے الفاظ سے یاد کرکے اپنی گہری عقیدت کا ثبوت دیا تھا۔ہماری نظر میں حضرت حاجی عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ میں جو کارِ عظیم کیا ہے وہ قیامت تک صفحہ روزگار پر ان کی یادگار بن کر رہے گا۔

آج کی علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کا سنگ بنیاد سرسید احمد خان نے محمڈن اینگلواورینٹل اسکول کی صورت رکھا تھا۔اور 1919 تک وہ اسی صورت میں رہا۔بعد میں اس کو علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے پیکر میں ڈھالا گیا۔تاریخ کے اوراق پر سرسید احمد خان کو علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے بانی کا درجہ دیا ہوا ہے۔درس وتدریس کے کیسے بھی ادوار علیگڑھ مسلم یونیورسٹی میں آئے ہوں،کیسے بھی وہاں مدرسین آئے ہوں چاہے وہ پروفیسر رشید احمد صدیقی ہوں،پروفیسر حبیب ہوں،ڈاکٹر ذاکر حسین ہوں سب کا درجہ سب کا مقام سرسید احمد خان سے دوسرے نمبر پر ہے۔کسی کو بھی سرسید احمد خان پر برتری حاصل نہیں۔اسی استدلال اور جواز کا اطلاق

دارالعلوم دیوبند پر ہوتا ہے۔محمڈن اینگلو اورینٹل اسکول کی طرح اس کا آغاز بھی چھتہ مسجد میں انار کے پیڑ کا سائے مدرسہ کی صورت میں ہوا جو بعد میں دارالعلوم دیوبند کے نام سے اسلام کا مینارہ نور بن گیا ہے۔آج اس کی رفعت کے سامنے کرہ ارضی پر چمکتا ہوا ہر سورج ماند ہے۔اس میں جن اکابرین کا اخلاص،عمل،نام اور ان کا کام شامل ہے وہی دارالعلوم کی سربلندی کا راز ہے۔ہم نے دارالعلوم کی سٹڈی کے دوران یہ چیز خاص طور پر محسوس کی ہے جسے ہم انسانی سرشت کا نام دیتے ہیں۔اس میں دو عظیم شخصیتوں کو موازانے کی صورت میں دیکھا گیا ہے اس طرح کی ذہنیت صحیح نہیں ہے۔

حاجی عابد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک درویش با کمال تھے۔ان کا دامن حیات بالکل پاک صاف تھا۔وہ دنیاوی حرص و ہوس سے بے نیاز تھے۔ان کے بارے میں کسی ذہن میں بھی تشکیک کا کانٹا چبھنا نہیں چاہئے۔کوئی حسن و جمال سے مزین شخصیت حاجی عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مقابل میں ابھرے وہ زمانے کی تاریخ میں ہمیشہ ماند رہے گی۔ان کے واقعات ان کی درویشانہ زندگی کا آئینہ ہیں۔جس انسان مت محلہ سرسٹہ کی جامع مسجد کے سامنے طویل زمانے تک کھڑے ہو کر چلتے ہوئے راہ گیروں کو پانی پلایا ہو،ان کی پیاس بجھائی ہو،دیوبند کی جامع مسجد کے نظم ونسق اور تعمیر وصنعت کی خدمات انجام دی ہوں،وہاں ایک نزعی پہلو پر کہ امام کے مصلے پر پڑوسی کے مکان سے بارش کے موسم میں پرنالے کا پانی گرے جس سے سجدے کی صورت میں امام کا سر بھیگ جائے اس کی طرف اگر حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی متوجہ کرنے کی درخواست رائیگاں چلی جائے تو یقینی بات ہے کہ وہاں حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسا فقیر آدمی کیسے کام کرسکتا تھا۔اس لئے اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو کر وہ پیراکلیر چلے گے۔اور مقتدی حضرات سے یہ درخواست کیکہ میں ایک فقیر انسان ہوں میری دنیا حرص وہوس کی نہیں ہے۔از راہ کرم آپ اس ذمہ داری کو خود سنبھالیں اور چلے جانے کے بعد حجۃ الاسلام امام الکبیر حضرت قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جیسا عظیم المرتبت انسان انہیں لیے کے لئے پیراکوٹ جائیں۔اور کہیں حضرت جی آپ جو کارہائے عظیم سرانجام دے رہے ہیں ان سے خدا کے لئے ذرا سی بھی روگردانی نہ فرمائیں ورنہ ان سیفنوں کا کیا ہوگا؟ان کی زمہ داری آپ کو آقا نامدار رسوک اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سپرد کی ہے آپ خدا کے لئے میرے ساتھ دیوبند چلیں۔حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی پر یہ شعر پوری طرح صادق آتا تھا کہ:

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما!

وہ روحانیت اور معرفت کی دنیا کے ایک فرشتہ صفت انسان تھے، ان کی آنکھوں میں مسیحائی تھی، کہتے ہیں ان کا لعاب دہن رستے زخموں کا مداوا تھا۔ وہ دوست اور دشمن ہر ایک کے لئے اپنی دعا کا دامن پھیلاتے تھے۔ راتوں کو سجود کے عالم میں وہ گریہ زاری کرتے تھے۔ ان کی "دعائے نیم شبی" علامہ اقبال کے الفاظ میں بے "نوائے راز" نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ تمام ارواح مقدمات کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطاء فرمائے اور پھر اس زمین کے تاریک گوشے سے حاجی عابد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسا ایک درویش کامل اور عارف باللہ ہمیں عطاء فرمائیں۔ آمین ثم آمین یا رب العٰلمین

وصلی اللّٰہ علی حبیبہ سیدنا محمد و آلہ وسلم

(بقلم اطہر صدیقی)

# قادیانی جماعت کا ہر خلیفہ دردناک موت کا شکار ہوتا ہے

## ایک سابق قادیانی کے انکشافات

محمد اشرف یوسف

میں پیدائشی قادیانی تھا۔ جس کا مجھے دکھ ہے۔ میں نے اپنی زندگی کے ۵۵ سال قادیانی ماحول میں گزارے جس کا مجھے پچھتاوا ہے، پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو مجھے اپنی گزری ہوئی زندگی ایک خوفناک اژدھے کی مانند دکھائی دیتی ہے جس نے زندگی کی تمام خوبصورتیوں کو نگل لیا ہو۔

مجھے بچپن سے ہی جھوٹ سے شدید نفرت ہے اور قادیانیت کی چونکہ بنیاد ہی جھوٹ پر ہے اس لیے مجھے قدرتی طور پر قادیانیت سے نفرت تھی۔ میں نے کبھی بھی قادیانیت کی تبلیغ نہیں کی۔ نہ ہی کسی الزام لگنے پر قادیانیت کا دفاع کیا۔ کیونکہ بطور قادیانی جتنا اندر سے قادیانیت کو میں جانتا تھا کوئی مسلمان تو اس کا عشر عشیر بھی نہیں جانتا۔ پھر بھی میں ''روایتی قادیانی'' کی سی زندگی گزار رہا تھا۔ یہ ''روایتی قادیانی'' کون ہیں؟ یہ دراصل عام قادیانی ہیں جو مرزا صاحب اور ان کے جانشینوں کی جعلی نبوتوں خلافتوں اور حماقتوں کو اچھی طرح سے جانتے ہیں لیکن پھر بھی ان کے خلاف آواز نہیں اٹھاتے۔ خاموشی سے زندگی گزارے چلے جاتے ہیں۔ جماعت احمدیہ میں ایسے مرزائیوں کی کثرت ہے۔ یہ لوگ مرزا غلام احمد قادیانی ان کے نام نہاد خلفاء اور قادیانیوں کی ام المؤمنین (معاذ اللہ) اور چھوٹی آپا اور بڑی آپا کو اپنی نجی محفلوں میں ننگی گالیاں دیتے ہیں لیکن جماعت کے عہدیداروں کے سامنے ان کا احترام کرتے ہیں۔ اس طرح یہ ایک دوہری زندگی گزار رہے ہیں جو کہ بجا طور پر منافقت کی زندگی ہے۔ ان کے اعصاب اس دوہری اداکاری سے ٹوٹ چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب خاتم الانبیاء محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے مجھے قادیانی زندگی کے عذاب سے نکالا جس کے لیے میں اللہ عز وجل کا بے شمار شکر ادا کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ وہ باقی قادیانیوں کو بھی اس مصیبت سے نکالے۔ آمین یہ قادیانی بے چارے بے حد مجبور ہیں۔ ان کے آپس میں رشتے ہیں جنھوں نے انھیں مجبور کر رکھا ہے کہ خاموشی سے جماعت احمدیہ کے اندر ہی زندگی گزاریں۔ بعض نے تو مجبوری کی بنا پر جماعت احمدیہ کو نہ چھوڑنے کا فیصلہ کر رکھا ہے۔ مثلاً میں نے اپنے ایک قریبی رشتہ

دارقادیانی کو ڈنمارک کے محمد اسلم علی پوری صاحب کا مضمون پڑھنے کے لیے دیا تو اس نے کہا ہم نے جماعت نہ چھوڑنے کا اور جماعت کے خلاف مضامین نہ پڑھنے کا فیصلہ کیا ہوا ہے۔ میں نے کہا کہ سچ کا تو سامنا کرو۔ کہنے لگا کہ ہم سچے ہیں یا جھوٹے ہم بہر حال یہ جماعت نہیں چھوڑیں گے۔ ہمارا جینا مرنا رشتہ داری سب کچھ جماعت کے اندر ہی ہے ہم کہاں جائیں؟ میں نے کہا کہ تمہیں خوف ہے کہ سچ پڑھ لو گے تو جھوٹ بھاگ جائے گا ضمیر ملامت کرتا رہے گا۔ میں یہ منافقانہ زندگی گزارتے تنگ آ چکا تھا۔ آخر خدا تعالیٰ کو مجھ پر ترس آ گیا اور اس نے مجھے جماعت احمدیہ سے نکلنے کا راستہ دکھایا۔ جب میں نے جماعت احمدیہ چھوڑنے کا فیصلہ کیا تو اپنے قادیانی دوستوں اور رشتہ داروں کو اپنے اس فیصلہ سے آگاہ کیا تو انھیں بھی مشورہ دیا کہ وہ بھی قادیانیت چھوڑ کر اسلام کے دامن میں پناہ لے لیں۔ انھوں نے کہا کہ یہ بڑی جرأت کا کام ہے ہمارے ماں باپ بہن بھائی بیویاں بیٹیاں داماد اور سب رشتہ دار دوست احمدی ہیں ہم ان سب کو چھوڑ کر احمدیت سے نکلنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ میں نے کہا کہ تم منافقت کی زندگی گزار رہے ہو اسی سے تو یہ زیادہ آسان ہے کہ ایک دفعہ ہمت کر کے جماعت احمدیہ کو خیر باد کہہ دو اور حقیقی زندگی گزارنا شروع کر دو۔ لیکن وہ یہ جرأت نہ کر سکے اور جب میں نے احمدیت یعنی قادیانیت چھوڑی تو وہ مجھ پر رشک کرتے تھے۔ کیونکہ وہ قادیانیت کے چنگل میں بری طرح پھنسے ہوئے ہیں وہ جھوٹ کو سچ کہنے پر مجبور ہیں۔ وہ جماعت کو چندے ادا کرنے سے تنگ ہیں اس مہنگائی کے دور میں غریبوں سے زبردستی چندہ لینا کہاں کی شرافت ہے؟

## شرافت کی جبیں پر ہے پسینہ!

میں نے اپنے قادیانی دوستوں کو جب مرزا غلام احمد قادیانی کی جعلی اور جھوٹی نبوت کے بارے میں لٹریچر بھیجا تو انھوں نے مجھے کہا ہمیں لٹریچر دے کر کیا آپ نے ہمارے وارنٹ نکلوانے ہیں؟ میں نے انھیں کہا کہ کیا تم مرزا غلام احمد قادیانی کو سچا سمجھتے ہو؟ تو وہ مرزا صاحب اور ان کے متعلقین کو ننگی گالیاں دینے لگے۔ میں ان لوگوں کا نام نہیں لینا چاہتا وگرنہ ان کے لیے مشکلات کھڑی ہو جائیں گی ان کا ناطقہ بند کر دیں گے مجھے ان پر ترس آتا ہے وہ میری تحریریں پڑھ کر مسکراتے ہیں۔

الفاظ کے پردے میں ہم جن سے مخاطب ہیں وہ جان گئے ہوں گے کیوں نام لیا جائے۔ جماعت احمدیہ کے بعض سادہ دل لوگ بڑوں کی بد دعا اور لعنتوں سے بھی ڈرتے ہیں کیونکہ جماعت احمدیہ کے راہنماؤں کا وطیرہ ہے کہ وہ شروع سے ہی اپنے مخالفوں کو موت سے ڈراتے ہیں۔ ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے زندہ رکھے جسے

چاہے اپنے ہاں بلالے۔ اس لیے وہ کسی ایسی موت کی دھمکی سے نہیں ڈرتے اور اسے ان کی دماغی بیماری سے تعبیر کرتے ہیں۔ جماعت احمدیہ کے بڑے جماعت چھوڑ کر چلے جانے والوں اور جماعت کے اندر رہ کر ان کی مخالفت کرنے والوں کے لیے بد دعائیں کرتے ہیں لعنتیں بھیجتے ہیں اور دنیا میں ان کے ذلیل وخوار ہونے کی پیشگوئیاں کرتے رہتے ہیں اور کرتے چلے آئے ہیں۔ جب کہ ختم نبوت کی حفاظت کرنے والے ہمیشہ سرخرو ہوتے ہیں اور یہ ذلیل وخوار!

مرزا غلام احمد قادیانی نے امام مہدی، مسیح موعود نبی رسول کرشن ہونے اور اس طرح دوسرے مختلف دعوے کیے۔ یہ بیمار ذہنیت کا آدمی تھا جو خود کو حاملہ ہو جانے اور حضرت عیسیٰ کی روح اپنے اندر نفخ ہونے کا دعویٰ کرتا رہا۔

(کشتی نوح مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۹، صفحہ ۵۰ از مرزا غلام احمد قادیانی)

مرزا قادیانی کا ایک صحبت یافتہ قاضی یار محمد لکھتا ہے کہ ”حضرت مسیح موعود علیہ السلام (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی) نے ایک موقع پر اپنی حالت یہ ظاہر فرمائی کہ کشف کی حالت آپ پر اس طرح طاری ہوئی کہ گویا آپ عورت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے رجولیت کی (مردانہ) طاقت کا اظہار فرمایا تھا۔ سمجھنے کے لیے اشارہ کافی ہے۔“ (اسلامی قربانی ٹریکٹ نمبر ۳۴، از قاضی یار محمد)

جب سے یہ کائنات تخلیق ہوئی ہے۔ گھٹیا سے گھٹیا ذہنیت کے کسی شخص نے بھی خالق کائنات اللہ وحدہ لا شریک کی پاک ہستی پر ایسا گندا، گھناؤنا، کفریہ اور شرمناک الزام نہیں لگایا۔ ہو سکتا ہے یہ شیطان ہو جس نے مرزا صاحب کے ساتھ یہ جنسی ڈرامہ کھیلا ہو۔ مرزا صاحب کے گندے خیالوں اور گندی حرکتوں کا بدلہ اللہ تعالیٰ نے خوفناک عذاب سے دیا اور دنیا ہی میں اپنی نجاست کے ڈھیر پر اس نے آخری سانس لیا۔ (سیرۃ المہدی، جلد ا صفحہ ۱۱، از مرزا بشیر احمد ولد مرزا غلام احمد، روایت نمبر ۱۲)

کاش مرزائی مرزا صاحب کے خاتمہ کے حالات پڑھ کر ہی کانوں کو ہاتھ لگا لیں اور قادیانیت کو خیر باد کہہ دیں! مرزا غلام احمد قادیانی آنجہانی ہونے کے بعد ان کے پہلے گدی نشین حکیم نور الدین تھے جن کو قادیانی جماعت ”خلیفہ اول“ کے نام سے پکارتی ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے بیٹے کی روایت کے مطابق حکیم نور الدین انتہائی گندے شخص تھے جو مدتوں نہیں نہاتے تھے۔ یہ ”بدبودار قادیانی خلیفہ گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں جا رہا تھا کہ خدا تعالیٰ نے گھوڑے کو حکم دیا کہ خلیفہ اوّل کا خاتمہ کر دو۔ وہ خلیفہ بحکم الٰہی اس گھوڑے کے بدکنے سے اس سے نیچے گرنے لگا تو اس کا پاؤں رکاب میں پھنس گیا گھوڑا سرپٹ دوڑتا رہا اور نبوت پر ڈاکہ ڈالنے والی جماعت کے خلیفہ کی ہڈیاں چٹختا رہا۔ جب گھوڑا رکا تو قدرت اپنا حساب پورا کر چکی تھی زخموں نے

گنگرین (ناسور) کی صورت اختیار کرلی اور خلیفہ اوّل نورالدین بسترِ مرگ پر ایڑیاں رگڑتے رگڑتے عذابِ الٰہی دنیا میں جھیلتے ہوئے ملک عدم کو سدھار گئے۔ بعد میں خاندان پر بھی مصائب کا پہاڑ ٹوٹا۔حکیم نورالدین کے دردناک انجام کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی کا بیٹا مرزا بشیرالدین محمود جسے قادیانی جماعت ''خلیفہ ثانی'' کے نام سے جانتی ہے جانشین ہوا خلافت پر جھگڑا ہوا مولوی محمد علی لاہوری کو خلافت نہ ملی مرزا قادیانی کی بیوی نے ریشہ دوانیوں سے اپنے نوجوان بیٹے کو زبردستی خلیفہ بنوادیا۔ یہ عیاش اور لااُبالی جوان تھا جسے خلافت ملنے پر مرزا قادیانی کے وفادار ساتھی مولوی محمد علی لاہوری احتجاجاً اس جماعت سے نکل گئے۔اور اپنا لاہوری مرزائیوں کا گروپ تشکیل دے دیا۔بشیرالدین محمود نے خلیفہ بنتے ہی ایسی گھناؤنی حرکتیں کیں کہ خود شرم بھی شرما گئی۔ان کی قصرِ خلافت نامی رہائشگاہ دراصل ''قصرِ خباثت'' تھی جہاں عینی شاہدین کے مطابق صرف عقیدتوں کا خراج ہی بھینٹ نہیں چڑھا بلکہ مختلف حیلے بہانوں سے یہاں عصمتیں بھی لٹتی رہیں اس مقدس عیاش نے اپنے شکار گرفت میں لانے کے لیے نہایت دلکش پھندے لگا رکھے تھے اسے معصوم لڑکیوں کو رام کرنے کا ایسا سلیقہ آتا تھا کہ قصرِ خلافت کے عشرت کدے میں جانے والی بہت سی عورتیں اپنی عزت لٹا کر واپس آئیں۔خلیفہ ثانی مذہب کی آڑ میں عصمتوں پر ڈاکے ڈالتا رہا۔ چناب نگر (سابقہ ربوہ) میں مختلف حیلوں بہانوں سے اس عیاش خلیفہ نے عصمتیں لوٹیں اور ظلم پہ ظلم کرتا رہا۔اس خلیفہ کی رنگین داستانوں کے قادیانی جماعت کے اپنے ہی لوگوں کے تبصرے حلفی بیانات مباہلے اور قسمیں موجود ہیں۔خدائے برتر ایسے ظالم انسان کو کبھی معاف نہیں کرتے چنانچہ احمدی جماعت کے اس خلیفہ''ثانی'' جسے قادیانی ''فضلِ عمر'' بھی کہتے ہیں کی زندگی کا خاتمہ بھی انتہائی دردناک حالات میں ہوا۔اسے زندگی کے آخری بارہ سال بسترِ مرگ پر ایڑیاں رگڑتے مرتے دیکھ کر لوگ کانوں کو ہاتھ لگاتے تھے۔اس کو فالج ہوگیا تھا اس کی شکل و صورت جنونی پاگلوں کی سی بن گئی تھی۔وہ سر ہلاتا رہتا منہ میں کچھ ممیاتا رہتا اس کے سر کے زیادہ تر بال اڑ چکے تھے۔پھر بھی انھیں کھینچتا رہتا، داڑھی نوچتا رہتا۔وہ اپنی ہی نجاست ہاتھ منہ پر مل لیا کرتا تھا۔بہت سے لوگ ان واقعات اور حالات کے عینی شاہد ہیں۔اس ''خلیفہ ثانی'' نے ایک بیان میں اعلان کیا کہ جماعت احمدیہ میں اٹھانوے فیصد منافق ہیں جس کی بنا پر جماعت کو ان کے پاگل ہونے کی افواہ اڑانی پڑی۔ایک لمبا عرصہ اذیت ناک زندگی بستر پر گزارنے کے بعد جب یہ شخصیت دنیا سے رخصت ہوئی تو اس کا جسم بھی عبرت کا نمونہ تھا۔ایک لمبا عرصہ تک ایک ہی حالت میں بستر پر لیٹے رہنے کی وجہ سے لاش اکڑ کر گویا کہ مرغ کا چرغہ بن چکی تھی۔ٹانگوں کو رسیوں سے باندھ کر بمشکل سیدھا کیا گیا۔چہری پر گھنٹوں ماہرین سے خصوصی میک اپ کروایا گیا۔جسم کی

کافی دیر تک صفائی کی گئی اور پھر عوام الناس کو دھوکہ دینے کے لیے مرکری بلب کی تیز روشنی میں لاش کو اس طرح رکھا گیا کہ چہرے پر مصنوعی نور نظر آئے لیکن قادیانی تو ساری باتوں سے واقف تھے۔خدا تعالیٰ ایسے حقیقی انجام اور مصنوعی نور سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے، آمین۔

قادیانی جماعت کے خلیفہ دوم کی تدفین کے بعد اس کے عزیز و اقارب اور پوری جماعت احمدیہ نے سکھ کا سانس لیا۔ پھر موروثی وراثت اور چندوں کے نام پر لوٹ مار کا سلسلہ جاری رکھنے کے خاطر انھی کے بڑے بیٹے مرزا ناصر احمد گدی نشین ہوئے۔ یہ حضرت گھوڑوں کی ریس کے بڑے شوقین تھے۔ان کے اس شہنشاہی شوق نے چناب نگر (سابقہ ربوہ) میں گھڑ دوڑ کے دوران ایک غریب شخص کی جان بھی لے لی۔خلیفہ مرزا ناصر احمد نے ۸۷ سال کی عمر میں فاطمہ جناح میڈیکل کی ایک ۲۷ سالہ طالبہ کو یہ کہتے ہوئے اپنے عقد میں لے لیا کہ ''آج دولہا اپنا نکاح خود ہی پڑھائے گا'' اس ۸۷ سالہ بوڑھے دولہا نے اپنے از کار رفتہ اعضاء میں جوانی بھرنے کے لیے کشتوں کا استعمال شروع کر دیا اور کشتوں کے راس نہ آنے پر خود ہی کشتہ ہوگیا۔اس کا جسم پھول کر کپا ہوگیا اور آناً فاناً خدائے قہار کے قہر کی گرفت میں آ کر کشتوں ہی کی آگ میں جھلس کر ملک عدم کو سدھار گیا۔

آنجہانی مرزا ناصر احمد کا چھوٹا بیٹا مرزا القمان شادی شدہ تھا اس کا ایک بیٹا تھا۔مرزا طاہر احمد نے اپنی گدی نشینی کا پروگرام ترتیب دیا تو اس سودے بازی میں اپنی بیٹی کا رشتہ بہت پہلے مرزا القمان سے کر دیا اس کی پہلی بیوی کو طلاق دلوائی گئی اور اس سے اس کا بیٹا چھین لیا۔جب مرزا ناصر احمد کی موت کے بعد مرزا طاہر احمد گدی نشین ہوا تو ان کے بڑے سوتیلے بھائی مرزا رفیع احمد خلافت کو اپنا حق سمجھتے ہوئے میدان میں آ گئے۔ان کی بات نہ مانی گئی تو وہ اپنے حواریوں سمیت سراپا احتجاج بن گئے اور سڑکوں پر آ گئے۔لیکن انھیں بزور قوت اپنے گھروں میں دھکیل کر ''خلافت'' پر قبضہ کر لیا گیا۔مرزا طاہر احمد جماعت کے چوتھے خلیفہ آمرانہ مزاج کے حامل تھے۔ان کی شروع سے یہ عادت تھی کہ وہ کسی کی بات نہیں مانتے تھے ان کی فرعونی عادات نے نہ صرف مرزا طاہر بلکہ پوری قادیانی جماعت کو دنیا بھر میں ذلیل کیا۔اپنی زبان درازی ہی کی وجہ سے وہ پاکستان سے بھاگ کر لندن اپنے آقاؤں کے ہاں پناہ گزین ہوئے۔ان کے دور خلافت میں بھی کسی شخص کی عزت محفوظ نہیں تھی وہ جب چاہتے اور جسے بھی چاہتے پل بھر میں ذلیل کر دیتے۔انھوں نے نظریں ملا کر بات نہ کرنے کا حکم دے رکھا تھا۔قادیانی لڑکیوں کو سدا سکھی رہنے کی دعا دینے والا یہ خلیفہ دس لاکھ کا حق مہر لکھوانے کے باوجود اپنی بیٹی کو طلاق سے نہ بچا سکا آخر مرزا القمان کی پہلی بیوی نے طلاق لینے

اور بچہ چھیننے پر بد دعا دی ہوگی! مرزا طاہر احمد ہومیوپیتھک ڈاکٹر کہلوانے کا شوقین تھا اور اس کا یہی شوق انسانوں کے لیے مصیبت کا باعث بن گیا۔ مرزا طاہر احمد چاہتے تھے کہ عورتیں صرف ''احمدی لڑکے'' ہی پیدا کریں جن میں ذات پات یا نسل کا کوئی لحاظ نہ ہو۔ قادیانیوں کو ''نرنسل'' پیدا کرنے کی گولیاں دیتے رہے جن میں مردانہ طاقت بند ہونے کا دعویٰ کیا جاتا۔ شاید قدرت ان کے ان ہتھکنڈوں پر ہنس رہی تھی دوسروں کو لڑکے دینے والا یہ ڈاکٹر (ہومیوپیتھک) اپنی بیوی کو لڑکا نہ دے سکا اور ان کے اپنے ہاں تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ جن سے دنیا حقیقت جان گئی۔ خلیفہ طاہر احمد نے اپنی عمر کے آخری چند سالوں میں اس دیدہ دلیری سے جھوٹ بولے کہ کراماً کاتبین بھی ان کے جھوٹ لکھتے ہوئے حیران ہوتے ہوں گے وہ جھوٹ کی انتہا پر پہنچتے ہوئے ایک روز بیس کروڑ احمدیوں کی جماعت کا خلیفہ ہونے کا دعویٰ کر بیٹھے۔ ان کے ذہنی توازن کا یہ حال تھا کہ امامت کے دوران عجیب وغریب حرکتیں کرتے رہتے۔ کبھی باوضو نماز پڑھاتے تو کبھی بے وضو ہی پڑھا دیتے۔ رکوع کی جگہ سجدہ اور سجدہ کی جگہ رکوع۔ کبھی دوران نماز ہی یہ کہتے ہوئے گھر کو چل دیتے کہ ٹھہرو! ابھی وضو کر کے آتا ہوں۔ غرضیکہ اپنے پیشروؤں کی طرح گرتے پڑتے اٹھتے بیٹھتے لیٹتے روتے مرزا طاہر احمد کی بھی بڑی مشکل سے جان نکلی پھر پرستاروں کے دیدار کے لیے جب لاش رکھی گئی تو چہرہ سیاہ ہونے کے ساتھ ساتھ لاش سے اچانک تعفن اٹھا اور ان پرستاروں کو فوراً کمرے سے باہر نکال دیا گیا اور لاش بند کر کے تدفین کے لیے روانہ کر دی گئی۔ لوگوں نے یہ مناظر براہِ راست ٹی وی پر دیکھے۔ کافی لوگ اس کے گواہ ہیں۔

میں اپنے قادیانی دوستوں اور رشتہ داروں سے اپیل کرتا ہوں کہ آپ نے تو اپنے روحانی سربراہوں کی حیات اور اموات کو دیکھا ہے پھر قادیانی چنگل سے کیوں نہیں نکل جاتے؟ مجھے آپ لوگوں سے ہمدردی ہے کیونکہ میرا اور آپ کا ۵۵ سال کا ساتھ رہا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ جس طرح اس نے قادیانیت سے نکلنے میں میری غیبی مدد فرمائی ہے اس طرح باقی قادیانیوں کی بھی مدد فرمائے اور وہ منافقت کی زندگی چھوڑ کر حقیقی زندگی گزارنا شروع کر دیں۔ آمین یارب العالمین

# بلاعنوان

محمد داؤد الرحمن علی

مرزا غلام احمد قادیانی کے مخالفین میں عیسائیوں میں پادری آتھم، مسلمانوں میں مولانا ثناء اللہ امرتسری، عورتوں میں مرحومہ محمدی بیگم، اس کے اپنے ساتھیوں میں پٹیالہ کے ڈاکٹر عبدالحکیم، اور ہندوؤں میں پنڈت لیکھرام خاص طور پر مرزا غلام احمد قادیانی کی پیشگویوں کا موضوع بنے۔ مرزا غلام قادیانی لکھتا ہے:

درحقیقت میرا صدق یا کذب آزمانے کے لیے یہی کافی ہیں

(ازالہ اوہام ج ۲ ص 31

مرزا غلام۔۔قادیانی کی ایک پیشگوئی بھی جھوٹی نکلے تو یہ اس کے جھوٹے ہونے کے لیے کافی ہے۔ چنانچہ مرزا غلام۔۔قادیانی خود لکھتا ہے:

اگر ثابت ہو کہ میری سو پیشگوئی میں سے ایک بھی جھوٹی نکلی تو میں اقرار کروں گا کہ میں کاذب ہوں

(اربعین حصہ ۴ ص 25۔ روحانی خزائن ج 17 ص 461)

## عبداللہ آتھم کی موت کی پیش گوئی

مرزا غلام۔۔قادیانی اور پادری عبداللہ آتھم کا تحریری مناظرہ امرتسر میں ۲۲ مئی 1893ء سے شروع ہو کر ۵ جون 1893ء تک پندرہ دن رہا۔ اس میں حکیم نورالدین اور مولوی سید احسن۔ مرزا غلام۔۔قادیانی کے معاون تھے۔ اس مناظرے کی روداد جنگ مقدس کے نام سے شیخ نور احمد۔ مالک ریاض ہند پریس امرتسر نے شائع کی۔ چنانچہ مرزا غلام۔۔قادیانی نے لکھا:

آج رات جو مجھ پر کھلا وہ یہ ہے کہ جب میں نے بہت تضرع اور ابتہال سے جناب الٰہی میں دعا کی۔ کہ تو اس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے ہیں تیرے فیصلہ کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ تو اس نے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا کہ اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لیکر یعنی پندرہ دن تک ہاویہ میں گرایا جائے گا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی بشرطیکہ حق کی

طرف رجوع نہ کرے ۔۔۔۔۔۔۔۔میں اس وقت یہ اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیشگوئی جھوٹ نکلی ۔۔۔تو میں ہر ایک سزا کے اٹھانے کے لیے تیار ہوں۔

ا: مجھ کو ذلیل کیا جائے: ۲: روسیاہ کیا جائے: ۳: میرے گلے میں رسہ ڈال دیا جائے اور: ۴: مجھ کو پھانسی دی جاوے۔ہر ایک بات کے لیے تیار ہوں اور میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ: ا: وہ ضرور ایسا ہی کرے گا: ۲: ضرور ایسا ہی کرے گا: ۳: ضرور ایسا ہی کرے گا،: ۴: زمین آسمان ٹل جائیں پر اس کی باتیں نہ ٹلیں گی۔

(جنگ مقدس ص 211۔روحانی خزائن ج ۶ ص ۲۹۲)

اس پیشگوئی کے مطابق آتھم کی موت کا آخری دن ۵ ستمبر 1894ء قرار دیا مگر دنیا گواہ ہے کہ وہ ۵ ستمبر کو صیح سلامت موجود تھا۔اب عبداللہ آتھم کا خط بھی پڑھیں جو اس وقت کے اخبار: وفادار: لاہور میں شائع ہوا۔

میں خدا کے فضل سے تندرست ہوں اور آپ کی توجہ مرزا صاحب کی کتاب نزول مسیح کی طرف دلاتا ہوں جو میری نسبت اور دیگر صاحبان کی موت کی پیشگوئی ہے۔۔۔۔اب مرزا صاحب کہتے ہیں کہ آتھم نے اپنے دل میں چونکہ اسلام قبول کر لیا ہے اس لیے نہیں مرا۔خیر ان کو اختیار ہے جو چاہیں سو تاویل کریں کون کسی کو روک سکتا ہے میں دل سے اور ظاہرا پہلے بھی عیسائی تھا اور اب بھی عیسائی ہوں اور خدا کا شکر کرتا ہوں۔یہ دل سے توبہ کرنے کا تصور بھی مرزا صاحب کی نئی شریعت ہے۔پھر اگر آتھم واقعی تائب ہو چکا تھا تو اللہ تعالی نے مرزا غلام۔۔قادیانی کو ۵ ستمبر سے پہلے اطلاع کیوں نہ دے دی۔شیخ یعقوب علی فانی اپنی جماعت کا حال ان لفظوں میں ذکر کرتا ہے۔

آتھم کی پیشگوئی کا آخری دن آ گیا اور جماعت میں لوگوں کے چہرے پژمردہ ہیں اور دل سخت منقبض ہیں بعض لوگ ناواقفی کے باعث مخالفین سے موت کی شرطیں لگا چکے ہیں ہر طرف سے اداسی اور مایوسی کے آثار ظاہر ہیں لوگ نمازوں میں چیخ چیخ کر رو رہے ہیں کہ اے خدا ہمیں رسوا مت کر یو غرض ایسا کہرام مچا ہے کہ غیروں کے رنگ بھی فق ہو رہے ہیں۔ (سیرت مسیح موعود ص ۷)

خود مرزا صاحب کا حال اس دن کیا تھا اسے مرزا غلام۔۔قادیانی کے بیٹے بشیر احمد کے بیان میں دیکھیں۔آپ: یعنی مرزا غلام قادیانی: اس دن عملیات میں گھرے ہوئے تھے اور دانے پڑھوا رہے تھے۔وہ لکھتا ہے۔وظیفہ ختم کرنے کے بعد ہم وہ دانے حضرت کے پاس لے گئے کہ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ وظیفہ ختم ہونے پر دانے میرے پاس لے آنا۔اس کے بعد

حضرت صاحب ہم دونوں کو قادیان سے باہر لے گئے اور فرمایا کہ یہ دانے کسی غیر آباد کنویں میں ڈالیں جائیں گے اور فرمایا کہ جب میں دانے کنویں میں پھینک دوں تو ہم سب کو سرعت کے ساتھ منہ پھیر کر واپس لوٹ آنا چاہیے اور مڑ کر نہ دیکھنا چاہیے

(سیرت المہدی ج ا ص 159)

یہ عملیات بتا رہی ہیں کہ مرزا غلام ۔قادیانی آتھم کو اندر سے مسلمان نہ سمجھتا تھا پھر معلوم نہیں خدا نے اسے مسلمان ہوا کیسے سمجھ لیا اور اس سے موت ٹال دی۔

مرزا بشیر الدین محمود کا بیان بھی لائق دید ہے جو الفضل 20 جولائی 1940ء میں چھپا ہے وہ کہتا ہے:

اس دن کتنے کرب و اضطراب سے دعائیں کی گئیں چیخیں سو سو گز تک سنی جاتی تھی اور ان سے ہر ایک زبان پر یہ دعا جاری تھی کہ یا اللہ آتھم مر جائے یا اللہ آتھم مر جائے ۔مگر افسوس کہ اس کہرام اور آہ زاری کے نتیجے میں بھی آتھم نہ مرا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

قارئین کرام: اب فیصلہ آپ خود کریں کہ مرزا غلام ۔قادیانی خود اپنے اس فرمان کے مطابق ۔(اگر ثابت ہو کہ میری سو پیشگوئی میں سے ایک بھی جھوٹی نکلی تو میں اقرار کروں گا کہ میں کاذب ہوں )(اربعین حصہ ۴ ۔روحانی خزائن ج ۷ ) جھوٹا اور کذاب ثابت ہوتا ہے یا کہ نہیں۔

# لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

## نبوت دل پر اترتی ھے یا دماغ پر

مولانا حسن خان صاحب

انسان کو اللہ نے دل اور دماغ کے دو بڑے پیمانے عطا کیے ھیں دماغ سوچتا ھے۔اور دل بدن کو چلاتا ھے دماغ فیل ھو جاے تو انسان زندہ رہ سکتا ھے مگر دل فیل ھو جاے زندگی ختم ھو جاتی ھے اسی لے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے بدن انسانی کی اصلاح دل سے وابستہ فرمائی۔

بخاری صفحہ 13 جلد،، 1 فرمایا:

انسانی جسم میں ایک لوتھڑا ھے وہ درست تو سارا جسم درست اگر وہ خراب سارا جسم خراب الا وھی القلب خبر دار وہ دل ھے دل ھی ایک بنیادی چیز ھے کیونکہ نبوت کسی انسانی سوچ کی پیداوار نھیں ھوتی نہ کسی قوت متخیلہ کا نتیجہ اسلے نبوت براہ راست دل پر اترتی ھے۔

پارہ 19 سورت شعرا آیت 193 تا 195

نزل بہ الروح الامین

لے کے اترا ھے اسکو فرشتہ معتبر علیٰ قلبک آپ کے دل پر

سورت بقرہ 97۔۔۔۔۔۔ نزلہ علی قلبک

اتارا ھے یہ کلام آپ کے دل پر اگر نزول وحی کا مقام دماغ ہوتا تو اسی کا

یہاں ذکر کیا جاتا۔۔۔۔رسول کریم کی محنت کا مرکز دل تھے اور ان دلوں کو اتنا روشن کیا وہ لوگ پوری انسانیت کیلے پیشوا بنے اور خود اللہ نے انکی عظمت کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا۔

کنتم خیر امت اخرجت للناس ...

آل عمران 110

تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجی گیں عالم میں جو لوگوں کو حکم کرتے ھو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ھو برے کاموں سے،، یہ اللہ نے انکے دلوں کی کیفیت واضح کی اور فرمایا

سورت الحجرات ۔۔۔۔3۔۔۔

وہی ہیں جنکے دلوں کو جانچ لیا اللہ نے ۔۔۔یعنی انکا امتحان دماغی نہیں ہوا بلکہ دلوں کا ہوا

اگر آپ غور فرمائیں اولیاء اللہ کی محنت بھی دلوں پر ہی ہوتی ہے،

انبیاء کا دماغ ہمیشہ دل کے تابع رہتا ہے، انسان کو نیند کیوں آتی ھے؟ وہ دماغی تھکاوٹ کی وجہ سے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صرف میری آنکھیں سوتی ھیں میرا دل بیدار رہتا ھے۔

(بخاری و مسلم)

سچی اور جھوٹی نبوت میں یہ فرق بھی ھے جھوٹی نبوت دماغ پر اترتی ھے۔ جتنے بھی جھوٹے نبوت کے دعویدار پیدا ہوئے سب دماغی پیداوار تھے۔اسی وجہ سے انکے کلاموں میں تضاد پایا جاتا ھے مرزا قادیانی کو دیکھ لیں کبھی امام کبھی عیسیٰ کبھی مریم کبھی موسیٰ کبھی محمد و احمد ھونے کا دعویٰ۔ یہ سب دماغی خرابی کی نشانیاں ھیں۔

# گوشۂ خواتین

بنتِ حوا

## رنگت نکھارئے

1۔نمک ملے پانی سے منہ دھونے سے رنگ نکھر جاتا ہے

2۔زیتون کے خالص تیل میں چند قطرے لیموں کا رس ملا کر چہرے پہ مساج کریں۔شہد نیم گرم پانی میں ملا کر روزانہ پیئیں

3۔رات کو سونے سے پہلے دودھ میں زیتون کا تیل ڈال کر پینے سے رنگ نکھرتا ہے

4۔پسی ماش کی دال میں تھوڑا سا بادام روغن یا زیتون کا تیل اور پانی میں ملا کر چہرے پر ملنے سے چہرہ نکھر جاتا ھے

5۔پپیتے کا چھلکا جلد پر رگڑنے سے جلد کا رنگ نکھر جاتا ہے

---

## کچن (شیر خرما)

### اجزاء

دودھ:2لیٹر

سویاں:1 پیکٹ

کھویا(چورا کرلیں):آدھا کپ

گھی:1پاؤ

بادام:آدھا کپ

پستہ:آدھا کپ

سبزالائچی:5۔6عدد

کھوپرا (باریک کٹا ھوا): آدھا کپ

چینی: حسب ضرورت

## ترکیب

ایک پین میں دودھ ڈال کر اس میں کھویا مکس کر کے چولہے پہ رکھ دیں اور ڈھکن ڈھانپ کر پکنے دیں جب دودھ اور کھویا مکس ھو کر ابلنے لگے تو اس میں سویاں اور چینی ڈال کر کچھ دیر مزید ابالیں پھر اس میں تمام میوے ڈال دیں اور ہلکی آنچ پر چند منٹ پکائیں تا کہ آمیزہ گاڑھا ہو جائے۔ ایک دوسرے پین میں گھی گرم کر کے الائچی کے بیج کڑکڑائیں پھر اس گھی کو مع الائچی شیر خرما میں ڈال دیں۔

اگر چاہیں تو خوشبو کے لئے چند قطرے عرق گلاب یا کیوڑہ ڈش میں ڈال دیں۔

مزے دار شیر خرما تیار ہے۔

# چٹکلے

مولانا محمد نبیل خان صاحب

ایک بچہ دوسرے سے: پتہ ہے یار، میرے ابو بہت بزدل ہیں۔ اکثر میرا سہارا لیتے ہیں۔
دوسرا بچہ: اچھا؟ وہ کیسے؟
پہلا بچہ: جب بھی سڑک پار کرنے لگتے ہیں تو ڈر کے مارے میرا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں۔

---

میڈم نے اپنی کلاس میں بچوں سے پوچھا
یقین اور وہم میں کیا فرق ہے۔
شاگرد: میڈم آپ پڑھا رہی ہیں یہ یقین ہے اور ہم پڑھ رہے ہیں یہ آپکا وہم ہے۔

---

ایک صبح ٹیچر کلاس روم میں کیمرہ لے آئی اور بچوں کو بتایا کہ ہم آپ کی یادگار اجتماعی تصویریں بنائیں گے تاکہ جب آپ بڑے ہو جاؤ تو یاد کرو کہ
یہ عدنان ہے۔۔اب یہ انجینئر ہے
اور یہ سعدیہ ہے۔۔اب یہ ائیر ہوسٹس ہے
یہ داود الرحمن ہے۔اور یہ ابھی تک کنوارہ ہے
یہ سیفی خان ہے۔۔یہ ترقی کر کے مدیر اعلی بن گیا ہے
وغیرہ وغیرہ۔
اتنے میں پچھلے بنچوں سے ایک بچے کی آواز آئی
اور یہ ہماری ٹیچر ہے۔۔اب یہ فوت ہو چکی ہے

ٹیچر نے ننھے نومی کا ہوم ورک چیک کیا تو غصے سے بولی۔

اتنا گندہ مضمون تو میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ایک جملہ بھی درست نہیں لکھا۔مجھے سمجھ نہیں آتا کہ ایک آدمی اتنی غلطیاں کیسے کرسکتا ہے

"ایک آدمی نہیں مِس" بچے نے ڈرتے ڈرتے کہا

"میری امی نے بھی ابو کی ہیلپ کی تھی۔

---

ننھی نے اپنی اماں کے سر میں چند سفید بال دیکھ کر وجہ پوچھی کہ سر میں سفید بال کیوں آ گئے تو اماں نے ننھی کی تربیت کے پیش نظر سمجھاتے ہوئے کہا:

دیکھو بیٹی۔جب بھی آپ مجھے تنگ کرتی ہو تو میرے سر میں ایک بال سفید ہو جاتا ہے، پھر جب تم کہا نہیں مانتی تو دوسرا بال سفید، پھر جب تم کوئی ضد کرتی ہو تو تیسرا بال سفید۔الغرض تمھاری طرف سے دی گئی کسی نہ کسی پریشانی سے میرا ایک ایک بال سفید ہوتا جا رہا ہے۔

ننھی سے سب کچھ غور سے سنا اور بولی:

"اچھا۔۔۔اب سمجھی نانی اماں کے سارے بال سفید کیوں ہیں!